بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ادبی ناول آفیشل

03254460956

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ مصنف اور ادارے کی اِجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جا سکتا ہے
اگر اس قسم کی صورتحال وقوع پزیر ہوتی ہے تو ادارہ اور لکھاری قانونی کاروائی کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

ادبی پبلیکیشنز

03254460956

email:adabipublication@gmail.com

website:adabinovelofficial.com

(چہرے پر چہرہ لگا کر پھرنے والوں کی کہانی)
زہر زیست
ماہ نور خان
Imagitor

ا

چہرے پر چہرہ لگا کر پھرنے والوں کی کہانی

زہر زیست

حیات کش کا حصہ دوم

انتساب

ہر حرف اس ذات کے نام جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت دی

باب اول

"سوات"

زہریا سانس ہے، کچھ بھی سمجھ آتا نہیں
جسم جیتا ہے مگر دل، زندہ رہ پاتا نہیں
چاہتوں کی راکھ میں جلتی رہی ہر آرزو
آنکھ نم رہتی ہے، پر کوئی بھی برس پاتا نہیں
خواب ٹوٹے اس طرح، آواز تک باقی نہ تھی
نیند چھوٹی، چین بچھڑا، سُکھ کبھی لوٹ کر آتا نہیں
لب ہنستے ہیں مگر روح میں کئی طوفان ہیں
ہر مسکراہٹ کے پیچھے زخم کوئی سجاتا نہیں
پھول چُنے تھے جو ہم نے، خار وہ سب بن گئے
دوست بن کر دل دکھانے والے اب کیا شرماتے نہیں؟
کون سچا، کون جھوٹا—اب سمجھ آتا نہیں
ہر تعلق میں کوئی چہرہ، کوئی پردہ ہٹتا نہیں
دل کی راکھ میں جو ایک چنگاری سی رہ گئی
وہی "زہرِ زیست" ہے، جو ہر سانس میں بہتی گئی

25 جولائی 2000 اسلام آباد کی رات گہری ہو چکی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دو کا ہندسہ چھو چکی تھیں۔ جولائی اپنے اختتام کی دہلیز پر تھا، اور برسات کی رم جھم اس کی آخری سانسوں کا اعلان کر رہی تھی۔ شہر کی فضا میں نمی تھی، مگر سٹڈی روم میں صرف سکوت اور ہلکی پیلی روشنی کا راج تھا۔ روشنی دیواروں پر نرم سائے بناتی، کمرے میں ایک پُراسرار سا ماحول بسا رہی تھی۔ دیوار پر لٹکی گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک خاموشی کو چیرتی ہوئی وقت کی بے رحمی کا اعلان کر رہی تھی۔

ا

کرسی پر بیٹھا وہ شخص کتاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ کرسی سے ٹیک لگائے، سفید فریم والا چشمہ آنکھوں پر چڑھائے، وہ اپنے گرد کی ہر چیز سے بے نیاز تھا۔
یکایک، آسمان گرجا، بجلی چمکی، اور کھڑکی کے پار سے آنے والی چمک نے کمرے کو لمحہ بھر کے لیے روشن کر دیا۔ اس نے سر اٹھایا، نگاہیں خود بخود کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک گہری سانس لی، چشمہ اتارا، کتاب پر رکھا اور آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کھڑکی تک جا کر باہر کی سیاہ خامشی میں جھانکا، پھر نرمی سے کھڑکی بند کر دی۔
پلٹنے ہی والا تھا کہ اچانک سٹڈی روم سے متصل کمرے سے چیخوں کی آواز ابھری۔ دل کی دھڑکن لمحے بھر کو تھمی اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا باہر نکلا۔
دروازہ کھلا تھا، اور اس کی نگاہیں سیدھی پلنگ پر پڑیں، جہاں درد سے تڑپتی اُس کی بیوی لیٹی ہوئی تھی۔ وہ لپک کر اس کے قریب آیا، سہارا دے کر اُسے اٹھایا، اور جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ اُسے پچھلی سیٹ پر بٹھایا، خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور تیزی سے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔
ہسپتال کی لیبر وارڈ کے باہر، وہ شخص ایک گھنٹے سے بے قراری سے چکر کاٹ رہا تھا۔ کبھی دیوار کو دیکھتا، کبھی دروازے کو۔ جیسے لمحے صدیوں میں ڈھل گئے ہوں۔ بالآخر، لیڈی ڈاکٹر باہر آئی۔ وہ لپکا۔ ڈاکٹر نے ماسک ہٹایا اور نرم مگر بوجھل لہجے میں بولی:
"میں معذرت خواہ ہوں... ہم آپ کے بچے کو نہیں بچا سکے۔ آپ کی بیوی کو کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا۔"
یہ سن کر جیسے وقت رک گیا۔ زبان بے جان ہو گئی۔ دل پر کسی نے جیسے بوجھ رکھ دیا ہو۔ وہ کچھ کہے بغیر، پتھریلی آنکھوں کے ساتھ وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ وہ ہمت سے کام لینا چاہتا تھا، مگر اس لمحے وہ ایک بکھرا ہوا شخص تھا، جو خود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔
دور کھڑی دو آنکھوں نے اس منظر کو دیکھا۔ خاموشی سے سر جھٹکا، اور آہستہ قدموں سے وہاں سے آگے بڑھ گئیں۔ نوجوان بالکل تنہا بیٹھا، خاموشی سے آنسو بہاتا رہا۔ باہر گرج چمک کے ساتھ بارش جاری تھی۔

☆☆☆☆☆

25جولائی2024

رات بھر کی بارش کے باعث آج سوات کا موسم نہایت خوشگوار تھا۔ دھلے دھلے سبزے پر پڑتی سورج کی ہلکی کرنیں منظر کو جادوئی بنا رہی تھیں۔
آسمان پر روئی کے گولے جیسے بادل سورج سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے، اور جھیل کا صاف شفاف پانی ارد گرد کی ہر چیز کا عکس اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ نیلے فراک میں ملبوس وہ لڑکی جھیل کنارے بیٹھی، پاؤں پانی میں ڈبوئے، ہر چیز سے بے نیاز سامنے کے پہاڑوں کو تکے جا رہی تھی۔ وہ خود بھی اس دلکش منظر کا ایک خوبصورت حصہ لگ رہی تھی—دودھیا رنگت، شہد سی آنکھیں، دراز پلکیں اور چہرے پر پھیلی بلا کی معصومیت، جیسے قدرت نے اپنے حسن کا بہترین شاہکار اسی لمحے کے لیے تخلیق کیا ہو۔
سوات کے پہاڑ ہی نہیں، یہاں کے لوگ بھی قدرت کے رنگوں جیسے سادہ، خوبصورت اور صاف دل تھے۔ وہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔
"سالگرہ مبارک"۔

ا

اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں پر اپنے جھریوں زدہ ہاتھ رکھ دیے۔ وہ منظر جو نظروں کے سامنے تھا، یکدم اندھیرے میں بدل گیا۔ وہ چونکی نہیں، بس نرمی سے ان ہاتھوں کو چھوا اور ایک تبسم سا اس کے لبوں پر پھیل گیا۔

"بابا جان"!!

اس نے پیار سے ہاتھ ہٹائے اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک بزرگ شخص، محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میری بچی، اپنی سالگرہ کے دن صبح صبح یہاں کیا کر رہی ہے؟"

وہ مسکرائے اور اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔ جوتے اتار کر سائیڈ پر رکھے اور اپنے پاؤں بھی جھیل کے بخ پانی میں ڈبو دیے۔

"بس یونہی دل چاہ رہا تھا یہاں آنے کا۔ بابا، آپ کو پتہ ہے؟ یہاں بیٹھ کر مجھے ایک عجیب سا سکون محسوس ہوتا ہے۔ جب میں اپنے پاؤں اس ٹھنڈے، صاف شفاف پانی میں ڈالتی ہوں، تو یوں لگتا ہے جیسے میری روح تک میں ٹھنڈک اتر رہی ہو۔"

وہ باتیں کر رہی تھی اور بزرگ محبت سے اس کے چہرے کو تک رہے تھے۔

"بیٹا، یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہم گناہگار بندوں کے لیے اتنے حسین نظارے بنائے ہیں، جنہیں دیکھ کر انسان ہر دکھ بھول جاتا ہے۔" انہوں نے سبزے پر رکھے اس کے نرم ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور لمحہ بھر کو دونوں خاموش ہو گئے، جیسے منظر بھی ان کے سکوت کی تابعداری کر رہا ہو۔

اچانک لڑکی نے شوخی سے ابرو اچکائے، ہتھیلی ان کے سامنے پھیلائی، "اچھا، یہ بتائیں، میرا تحفہ کہاں ہے؟" وہ مسکرائے، "ویسے تو میرا سب کچھ میری گل کا ہے، لیکن بتاؤ تو، کیا چاہیے تمہیں؟"

""ہمم" !!!!!!

اس نے سوچتے ہوئے انگلی کنپٹی پر رکھی، پھر چمکتی آنکھوں کے ساتھ بولی، "مجھے ایک لال گلاب چاہیے۔"

یہ سنتے ہی بزرگ نے قہقہہ لگایا اور اسے شفقت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ (کس قدر سادہ ہے میری بچی) دونوں پانی میں پاؤں مارتے ہنستے مسکراتے باتوں میں مگن ہو گئے اس لمحے جھیل، پہاڑ، بادل اور سبزہ جیسے ان دونوں کی خوشی میں شریک ہو گئے تھے۔ ہر چیز سے انجان۔

☆☆☆☆☆☆

پاکستان میں 25 جولائی کی نرم و ملائم صبح اتر چکی تھی، جب کہ زمین کے دوسرے سرے پر واقع میکسیکو سٹی کے علاقے پولانکو میں ابھی 24 جولائی کی رات کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پولانکو، جو اپنے پر تعیش طرزِ زندگی اور بلند و بالا عمارتوں کے باعث جانا جاتا ہے، وہاں کی سڑکوں پر کہیں ہلکی ہلکی چہل پہل تھی تو کہیں گہری خاموشی۔ انہی پُر تعیش عمارتوں کے بیچ ایک پر شکوہ بنگلہ ساکت و صامت کھڑا تھا۔۔۔ جیسے وقت نے وہاں قدم رکھنا چھوڑ دیا ہو۔

ا

بنگلے کے اندر دوسری منزل کے ایک کمرے میں ہلکی سرخی مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ایک شخص—ہارون خانزادہ— اپنی کنپٹی دباتے ہوئے کسی اندرونی اضطراب سے نبرد آزما تھا۔ ایک طرف لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا، جس کی نیلی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ کئی گھنٹوں سے کسی پیچیدہ کام میں الجھا ہوا ہے۔

سکون کو اس وقت توڑا جب سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا فون بجنے لگا۔ ایک نظر موبائل پر ڈالی، جیسے یہ لمحہ اسے ناگوار گزرا ہو۔ اُس نے پہلی، پھر دوسری بار نظر انداز کیا، لیکن جب چوتھی مرتبہ فون بجا، تو غصے کو ضبط کرتے ہوئے کال اٹھالی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ اگر میں دوسری بیل پر فون نہ اٹھاؤں تو تیسری نہ کیا کرو"

آواز میں خفگی تھی، لیکن دبی دبی—جیسے وہ چیخنا بھی چاہے تو نہیں چیخ سکتا۔

دوسری جانب سے کسی کی بے بسی سے بھری اواز ابھری "" سر! میں نے بہت کوشش کی، مگر وہ لوگ کسی طور اپنی زمین دینے کو تیار نہیں—"

ہارون کے چہرے پر ایک سرد سی ہنسی پھیل گئی۔

" اتنا سا کام دیا تھا تمہیں سعد، اور وہ بھی نہ ہو سکا؟ تم جانتے ہو، ہارون کو انکار سننا پسند نہیں۔"

ایک ہاتھ سے لیپ ٹاپ گود میں رکھ کر اس نے انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چلائیں—کسی اگلے قدم کا منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔

کال بند ہو گئی، شاید اس کی سرد مداخلت نے دوسری جانب کے الفاظ کو خاموش کر دیا۔ فون ایک طرف اچھال کر، وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین گھورتا رہا، جیسے وہ مشین بھی اس کے حکم کی پابند ہو۔

"یس!"—کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

لیپ ٹاپ بند کیا، اور سر بیڈ کی پشت سے ٹکا کر چھت کو تکنے لگا۔

"سوات، تیار ہو جاؤ... ہارون خانزادہ آ رہا ہے... تمہیں اپنا بنانے"۔

اس کی آواز میں ایک ایسی یقین دہانی تھی جو کسی خواب یا دیوانگی کا نہیں، بلکہ کسی ایسے انسان کی تھی جس کی روح برسوں کی تپش سے جھلس چکی ہو۔

اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں، مگر اندر ایک شعلہ جاگ رہا تھا—ایک ایسا شعلہ جو تھم تو سکتا ہے، مگر بجھ نہیں سکتا۔

سوات—ایک سرزمین جہاں فطرت ہر درد کو اپنی نرم آغوش میں سمو لیتی ہے، جہاں جھیلوں کی سطح پر پڑتی دھوپ، پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوا، اور معصوم لوگوں کے سادہ دل—سب کچھ ایک زخمی روح کو مرہم دینے کا ہنر رکھتے ہیں۔

شاید قسمت ہارون پر مہربان ہونے کو تھی، جو برسوں بعد اُسے سوات لے جا رہی تھی... اُس کی روح کو سکون دینے۔

☆☆☆☆☆

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

اسلام آباد میں 25 جولائی کی صبح دھیرے دھیرے اپنے رنگ بکھیر رہی تھی۔ سورج کی نرم کرنیں کھڑکیوں سے جھانک کر روشنی کا سنہرا تاثر بکھیر رہی تھیں۔ موسم کی تازگی اور خنکی میں ایک خاص سا سکون پوشیدہ تھا۔ اسی ماحول میں وہ کچن میں ناشتے کی تیاری میں مصروف تھی۔ توے پر پکتے پراٹھوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔ انہی مہکوں کے تعاقب میں حسن آراء کچن میں چلی آئیں۔

"ماشاءاللہ! میری بیٹی کچن میں؟" وہ حیرت سے گویا ہوئیں۔ ایک طرف کونے میں بیٹھ کر مزے سے چائے پیتی ملازمہ حسن آرا کی آواز سن کر جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باسل کی فرمائش تھی کہ آج ناشتہ میں آلو کے پراٹھے ہوں، تو بس میں نے سوچا خود بنالوں،" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور احتیاط سے توے سے اٹھا کر پلیٹ میں رکھا۔

"بیٹا یاسمین سے کہہ دیتی، تم خود کیوں محنت کر رہی ہو؟ یہ گرمی، یہ کچن کا ماحول، تمہارے بس کا نہیں۔" وہ جانتی تھیں کہ ابرش کس قدر نازو سے پلی بھری ہے۔کچن کے کام اس کے بس کی بات نہیں۔

"خالہ جان، کبھی کبھی اپنوں کے لیے خود سے کچھ کرنا اچھا لگتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اگلا پراٹھا بھرنے لگی، مگر حسن آرا نے باؤل سے فلنگ نکال کر نرمی سے اس کے ہاتھ روک دیے۔

"بس کرو، تم جاؤ جا کر بالاج کو اٹھاؤ، یہ میں سنبھال لوں گی۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔ پھر ملازمہ کو آواز دی، "یاسمین! چائے لاؤ اور باقی چیزیں لگا دو۔"

ابرش ہاتھ دھو کر کچن سے نکلی اور کمرے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، اس نے ایک لمحے کو سر تھاما۔ آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے ہٹائے تو سورج کی تیز روشنی سیدھی بالاج کے چہرے پر پڑی، جو اوندھے منہ سو رہا تھا۔

"اٹھ جائیں بالاج! دیکھیں وقت کیا ہو رہا ہے۔ آپ نے خود ہی وعدہ کیا تھا کہ آج ہم شاپنگ پر جائیں گے،" وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور آہستگی سے جھنجھوڑا، مگر وہ بے نیازی سے کروٹ بدل گیا۔

"ٹھیک ہے، آپ سوتے رہیں۔ میں باسل کے ساتھ جا رہی ہوں،" وہ خفا ہو کر اُٹھی اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

بالاج نے آنکھ کھول کر اسے جاتے دیکھا، لبوں پر شریر سی مسکراہٹ آئی۔ "آپ کو تنگ کرنے کا بھی اپنا ہی مزہ ہے بیگم!" وہ کہتے ہوئے بستر سے اٹھا اور واش روم کا رخ کیا۔

☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر باسل کی خوشی دیدنی تھی۔ "آج تو مزہ آگیا، بھئی واہ۔" وہ ندیدوں کی طرح پراٹھوں کو گھور رہا تھا۔

"آپ جانتے ہیں آج ناشتہ کس نے بنایا؟" حسن ارا نے ابرو اچکاتے احمد درانی کو دیکھا۔جب کہ انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیگم کو دیکھا۔

"آپ کی بہونے۔"جواب باسل کی طرف سے آیا تھا۔

احمد صاحب نے حیرت سے ابرش کی طرف دیکھا، جس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بالاج کہاں ہے؟"احمد صاحب نے پوچھا۔

"جی، خالو، وہ آرہے ہیں۔"اس نے مختصر جواب دیا۔

کچھ دیر بعد بالاج ہال میں داخل ہوا، سب کو سلام کیا اور باسل کے قریب بیٹھ گیا۔جب اس کی نگاہ ناشتہ پر پڑی تو حیرت سے سامنے بیٹھی ابرش کو دیکھا۔ابرش نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر دیا۔

"ویسے بھائی!اب آپ ہار گئے ہیں، بھابھی جیت گئیں، شرط کے مطابق اب آپ کو ان کی بات ماننی پڑے گی،"باسل نے مزاحیہ انداز میں سرگوشی کی، جس پر بالاج نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔جب کہ اس کے ذہن میں رات کو ان کے درمیان ہونے والی گفتگو چل رہی تھی۔(آپ کو لگتا ہے مجھے کچھ بنانا نہیں آتا تو ٹھیک ہے آپ جو کہیں گے میں وہ آپ کے لئے بناؤں گی بس بدلے جو میں کہوں گی مجھے وہ ملے گا۔)

"اچھا تو تم لوگ سوات کے لئے کب نکل رہے ہو؟"

"شام کو نکلیں گے۔"احمد درانی کے سوال پر بالاج نے مختصر سا جواب دیا۔

"اپنا سارا ضروری سامان رکھ لینا اور ہاں اگر کچھ چاہئے تو بالاج کے ساتھ جا کر لے آؤ۔"

حسن آرا کی تاکید پر اس نے غصے سے بالاج کو دیکھا۔جب کہ وہ کندھے اچکاتے ناشتا کرنے میں مگن رہا۔

ناشتے کے بعد احمد صاحب اور حسن آرا نے ابرش کو چھوٹا سا تحفہ دیا اور ڈھیروں دعائیں بھی۔مگر جس کی تعریف کی سب سے زیادہ توقع تھی، وہ ہی خاموش رہا۔ابرش کا دل چاہا کہ وہ چائے کا گرم گرم مگ اس منہ پر دے مارے اور وہ ایسا کر بھی لیتی اگر وہاں کوئی اور موجود نہ ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

صبح کی ٹھنڈی ہوا اور وادی کی تازہ خوشبو نے روح تک کو مہکا دیا تھا۔تازگی سے لبریز اس صبح کا آغاز زرش گل اور اس کے بابا، سعید صاحب، کے لیے معمول سے ذرا مختلف تھا۔گھر آتے ہی زرش نے ناشتہ تیار کیا۔بابا کے ساتھ ناشتے کی میز پر بیٹھی تو دل عجیب سے سکون سے بھرا ہوا تھا۔

ابھی وہ دونوں ناشتہ کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ زرش کی سہیلی، عائشہ، دروازے پر آن پہنچی۔

"بابا!عائشہ آئی ہے، کیا ہم کچھ دیر کے لیے باہر جا سکتے ہیں؟"

زرش نے بابا سے اجازت مانگی، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ سعید صاحب کبھی بھی اسے منع نہ کریں گے۔

" ہاں جاؤ، لیکن جلدی واپس آجانا، پھر ہمیں بازار بھی جانا ہے۔

ا

زرش نے اثبات میں سر ہلایا اور عائشہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد دونوں ایک خچر پر سوار تھیں، اور ان کا رخ تھا کنڈول جھیل کی طرف تھا— ان کا ارادہ وہیں جا کر زرش کی سالگرہ منانے کا ارادہ تھا۔عائشہ نے اچھا سا کیک بیک کیا تھا۔

کالام سے تقریباً ایک گھنٹے کے فاصلے پر واقع اتروڑ کی وادی، جنت کا ٹکڑا محسوس ہوتی ہے۔ گھنے درختوں سے ڈھکے پہاڑ، شفاف اور یخ بستہ دریا، اور اونچائی پر واقع لاجوردی جھیلیں—ان سب کا امتزاج ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ منظر تراشا ہو۔

کنڈول جھیل کی طرف جانے والی پگڈنڈی دریا کے متوازی، ریت اور پتھروں کے بیچ چھپی ہوئی ہے۔

زرش گل سعید—کنڈول جھیل سے ذرا پہلے کے آخری گاؤں گبدل کی رہنے والی، یہ حسین و جمیل دوشیزہ اپنی خوبصورتی اور سلیقے کی مثال تھی۔ دودھیا رنگت، بھوری آنکھیں، اور دو چوٹیوں میں بندھے لمبے بال جو اس کی کمر تک جھولتے تھے۔ چہرے پر پڑی دو نرم لٹیں اور سر پر ہلکا سا اوڑھا دوپٹہ، جیسے قدرت خود اسے سنوار کر میدانِ فطرت میں لے آئی ہو۔ اس وقت وہ نیلے فراک میں، ہاتھوں میں جنگلی پھول تھامے جھیل کے کنارے کھڑی تھی، جیسے پہاڑ، پانی، اور فضا اس کی موجودگی سے روشنی پا رہے ہوں۔

اس کا باپ، سعید، ایک سابقہ فوجی اور علاقے کا نگہبان، جس نے ریٹائرمنٹ کے بعد پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا۔ بیوی کے انتقال کے بعد، وہ اپنی اکلوتی بیٹی کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ مچھلی اور آلوؤں کی تجارت سے جُڑے اس محنتی اور نیک دل انسان نے زرش کی پرورش بہت محبت اور اصولوں کے ساتھ کی تھی۔

مگر وہ سب کچھ جو معمول کا حصہ تھا، اب بدلنے والا تھا۔ زرش گل کی زندگی، جو اب تک خاموش جھیل کی مانند تھی، ایک نئے طوفان کی آمد کا انتظار کر رہی تھی—ایک ایسی تبدیلی جو اس کی تقدیر کو ہمیشہ کے لیے بدل دے گی۔

☆☆☆☆☆

جب سے وہ لوگ گھر سے نکلے تھے، ابرش خاموش تھی۔ یہ بات بالاج کے لیے نئی نہیں تھی، کیونکہ پانچ ماہ پہلے ہونے والے حادثے کے بعد وہ اکثر ہی یوں چپ چاپ رہنے لگی تھی۔ بالاج جونہی اسلام آباد واپس آیا، اسے فوراً ہی جورڈن کا بکھرا گند سمیٹنے دوبارہ جانا پڑا، اور وہ ابرش کو وقت نہ دے سکا۔ مگر اب، واپسی کے بعد اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنا پورا وقت ابرش کے نام کرے گا۔ اس وعدے کا پہلا قدم تھا، سوات کا ایک پر سکون سفر۔ شام کو روانگی طے تھی، کیونکہ دن میں گرمی کی شدت کے باعث سفر کرنا مشکل ہوتا۔ لیکن اس سے پہلے، ابرش کو کچھ ضروری خریداری کرنا تھی۔

"کیا بات ہے بیگم، آج کیا مون ورت رکھ لیا ہے؟" اُسے یوں گم سم دیکھ کر وہ شوخ لہجے میں بولا۔

ابرش نے اُس کی جانب دیکھا، ایسی نظروں سے جیسے ابھی نگاہوں سے بھسم کر دے، پھر بے نیازی سے دوبارہ کھڑکی کے پار گزرتی سڑک کی طرف رخ کر لیا۔

ا

"اچھا چلو، اچھی بات ہے، کبھی کبھی خاموشی بھی فائدے مند ہوتی ہے۔" اسے خاموش دیکھ کر خود ہی جواب دیا اور پھر طنزیہ سا مسکرایا، مگر ابرش نے آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا، جیسے مزید کچھ سننا نہ چاہتی ہو۔ بالاج نے فوراً زبان دانتوں تلے دبالی۔

کچھ ہی دیر بعد، وہ سینٹورس مال میں داخل ہو چکے تھے۔ ابرش ہر دکان میں داخل ہوتی، اگر کچھ پسند نہ آتا تو بغیر کچھ کہے باہر آ جاتی۔ اور اگر کچھ پسند آ جاتا تو کاؤنٹر پر رکھ دیتی۔ بالاج محض اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا، جیسے کوئی تابعدار غلام۔

جب وہ بل کرواتا، تو ابرش پہلے ہی باہر نکل چکی ہوتی، اور بالاج کو شاپرز اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ وہ منظر ایسا تھا جیسے کوئی ملکہ شان سے خراماں خراماں چل رہی ہو، اور اس کا خادم اس کا سامان اٹھائے، قدم بہ قدم پیچھے پیچھے ہو۔

"بس کر دیں بیگم یار! میرے لیے بھی کچھ خرید لیں، آخر میں بھی تو ٹرپ پر جا رہا ہوں۔" وہ عاجز آ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ابرش نے اس کا جائزہ لیا۔ دونوں ہاتھوں میں شاپر، آدھی آستین والی شرٹ، بکھرے بال، اور مظلوم سی شکل... بالاج واقعی ترس کھانے کے قابل لگ رہا تھا۔

"آپ یہ سب لے کر فوڈ کورٹ جائیں، میں بس ایک چیز دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ باوقار انداز میں حکم صادر کرتے وہاں سے نکل گئی۔ جب کہ وہ حکم بجا لاتا فوڈ کورٹ پہنچ گیا۔

کچھ دیر بعد، ابرش چند مزید شاپنگ بیگز لیے اس کی طرف آ رہی تھی، لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ اندر پڑی، وہیں ٹھٹھک گئی۔

بالاج میز پر کہنیاں ٹکائے موبائل میں مصروف تھا، اور قریب بیٹھی چند لڑکیاں بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ اس کے کسرتی بازو، ابھری نیلی رگیں اور وجیہہ چہرہ... ظاہر ہے، کسی بھی لڑکی کے لیے کشش کا مرکز تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔ بالاج نے سوالیہ نگاہوں سے اس لڑکی دیکھا۔

ابرش کے قدم تیز ہو گئے۔ وہ سیدھی اس کے سر پر پہنچی اور جھک کر نرم لہجے میں اتنی اونچی آواز سے بولی کے لڑکی نے باخوبی سنا۔ "Darling, I am here..."

بالاج نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ وہ ابرش کو دیکھ رہا تھا، جو بنا پلک جھپکائے اُس لڑکی کو ایسے گھور رہی تھی جیسے پل بھر میں کچا چبا جائے گی۔ لڑکی نے فوراً وہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت جانی۔

"چلیں۔" ابرش سرد لہجے میں بولی اور فوڈ کورٹ سے باہر نکل گئی۔

بالاج ابھی بھی ساکت بیٹھا سوچ رہا تھا... یہ کیا ہوا؟ ابرش نے کبھی اُسے "ڈارلنگ" نہیں کہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ خوش ہو کہ اس کی بیوی اسے کسی کے ساتھ برداشت نہیں کرتی، یا فکر مند ہو کہ اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

"اللہ بچائے آج تو..." وہ زیرِ لب بڑبڑایا، اور بیگز سمیٹ کر خاموشی سے اُس کے پیچھے چل دیا۔

☆☆☆☆

واپسی کے پورے سفر میں ابرش خاموش رہی۔ بالاج کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

حسن آراء نے رات کے سفر سے منع کر دیا تھا جس کی وجہ سے اب کا ارادہ صبح فجر کے بعد نکلنے کا تھا۔ویسے بھی زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے کا سفر تھا۔

رات کھانے کے بعد جب سب سونے چلے گئے تو ابرش اور باسل لاؤنج میں بیٹھے ایک سنسنی خیز اینیمے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے تو لگتا ہے قاتل اس کی بیوی ہے۔" باسل نے آہستہ آواز میں رازدارانہ انداز میں کہا، پاپ کارن کا باؤل گود میں رکھتے۔

"نہیں، یہ اس کا سالا ہے۔ اور پکا وہی ہے۔" ابرش نے اعتماد سے جواب دیا۔

ان کے چہروں پر ایسا تجسس تھا کہ جیسے وہ حقیقی منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

اندھیرے میں صرف ٹی وی کی روشنی تھی، جو دونوں کے تجسس بھرے چہروں پر جھلک رہی تھی۔

اچانک لاؤنج کا سلائیڈنگ ڈور کھلنے کی آواز آئی۔ اندھیرے میں آنے والے کا چہرہ نظر نہ آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا۔

باسل نے جلدی سے گلدان اٹھالیا، اور ابرش نے شیشے کا کراکری پیس مضبوطی سے تھام لیا۔ دونوں نے نظروں کا تبادلہ کرتے سارالائحہ عمل طے کیا -اور اثبات میں سر ہلاتے اپنی جگہ سے اٹھے۔وہ دونوں جاسوسی اینمے دیکھنے میں اسے ڈوبے تھے کہ انہیں لگا سچ میں گھر میں کوئی گھس آیا ہے۔

"ایک...دو... تین!" دونوں چیختے ہوئے آگے بڑھے۔لیکن اسی لمحے روشنی جل اٹھی۔

"بھائی آپ؟!" باسل کا گلدان اس نے فوراً کمر کے پیچھے چھپالیا، اور ابرش کا کراکری ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ بالاج انہیں گھور رہا تھا اور وہ دونوں دانت نکالے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پاگل ہو گئے ہو تم لوگ؟"

پھر اس کی نظر ٹی وی پر پڑی، اور سب کچھ سمجھتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی اور باہر نکل گیا۔

"کیا کرتی ہیں آپ بھابھی! ابھی بچارے کا سر پھٹ جاتا!" باسل کی آواز میں احتجاج بھی تھا اور بچاؤ بھی۔

ابرش نے کوئی جواب نہیں دیا، بس ایک مکا باسل کی کمر پر رسید کیا اور خود باہر چلی گئی۔ پیچھے وہ اپنی کمر سہلاتا وہیں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو بالاج وہاں موجود نہ تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی —وہ شاور لے رہا تھا۔ ابرش خاموشی سے ٹیرس پر آ گئی۔ وہاں کئی پھولوں کے گملے رکھے تھے۔ موتیے کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ چاند مکمل تھا اور بادلوں کے پیچھے سے جھانک رہا تھا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے سیراب کر رہے تھے۔

ا

"سو جائیں بیگم، صبح جلدی اٹھنا ہے۔" بالاج اس کے برابر کرسی پر آ بیٹھا۔

ابرش نے ایک نظر اس پر ڈالی—سفید آدھی آستین کی ٹی شرٹ، بھیگے بالوں سے ٹپکتا پانی، اور چہرے پر مانوس سی سنجیدگی۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وقت رہتے خود کو روک لیا۔ کہیں دل بغاوت نہ کر بیٹھے اور وہ اسے معاف نہ کر دیں۔ وہ اٹھ کر چلنے لگی تو بالاج نے اس کی کلائی تھام لی۔

وہ پلٹی تو بالاج بھی اس کی کلائی آزاد کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔وہ شکوہ کناں آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ارے، بتاؤ تو سہی ناراضگی کی وجہ؟"

"میں نے پہلی بار کچھ بنایا، سب نے تعریف کی...ایک آپ تھے جنہوں نے کچھ نہ کہا"

وہ سرد آہ بھرتے اس کے قریب آگیا۔جب کہ وہ نظریں پھیرتی ریلنگ تک پہنچ گئی۔

"ادھر دیکھو۔"

اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر اسے اپنے روبرو کیا۔

"بیگم...مجھے معلوم تھا آپ نے دل سے کچھ بنایا ہے۔ تعریف تو بنتی تھی۔ اور تحفہ بھی۔ لیکن"!!

وہ ذرا رکا، پھر ہلکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"اگر میں سب کے سامنے تعریف تو آپ شرما جاتیں۔"

ابرش نے چونک کر دیکھا—بالاج نے آہستگی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے، جیسے کوئی نازک چیز چھو رہا ہو۔ لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔

وہ برف کی طرح منجمد ہو گئی۔یہاں تک کہ بالاج اس کے ہاتھوں کو اپنے چہرے کے قریب لے آیا۔

اس کی سانسیں ساکت ہو گئیں، جیسے وقت وہیں تھم گیا ہو۔

پھر دھیرے سے اُس نے اپنے لب ابرش کے ہاتھوں پر رکھ دیے—نرمی سے، محبت

دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گالوں پر لالی دوڑ گئی۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی رہی، کچھ بول نہ سکی۔

تب بالاج نے انہی ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا—احترام، عقیدت اور چاہت کے ساتھ۔ کیا عقیدت تھی اس آدمی کی آنکھوں میں جو آج ابرش سے حائف نہ رہی۔

اس کی پلکیں لرزیں۔ وہ ہولے سے پلٹی، جیسے خود سے نظریں چرا رہی ہو۔

ا

"ابھی تو یہاں کوئی نہیں ہے، اور آپ پھر بھی شرما رہی ہیں؟"

بالاج کے لہجے میں شرارت تھی، مگر نظر میں وہی گہرائی، وہی سنجیدگی۔

ابرش نے چہرہ دوسری طرف موڑتے ہوئے دھیرے سے کہا،

"تعریف زبان سے بھی کی جاسکتی ہے۔"

اس کی بات پر وہ مسکرا دیا۔ نظر ابرش کے ریلنگ پر رکھے لرزتے ہاتھوں پر گئی۔

"ہمارا انداز ہی کچھ اور ہے، بیگم صاحبہ۔ جب دل سے کچھ بنے، تو صرف زبان نہیں، دل بھی بولتا ہے۔" اس کی ذو معنی باتیں ابرش کی دھڑکنیں تیز کر گئیں۔

"تو ٹھیک ہے، اب سے سب کے سامنے تعریف بھی ہوگی، منظور ہے"!

"بہت ہی بے شرم ہیں آپ۔"

ابرش کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ دوپٹہ شانوں پر سمیٹتے ہوئے وہ وہاں سے پلٹ گئی — تیز قدموں سے، جیسے اپنی دھڑکنوں کو چھپانا چاہتی ہو۔

پیچھے، بالاج وہیں کھڑا رہا — چہرے پر محبت بھری مسکراہٹ، جیسے وہ لمحہ اس کے دل میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا ہو۔

☆☆☆☆☆

اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر رات کے اس پہر بھی زندگی دھڑک رہی تھی۔ مسافروں کے قدموں کی چاپ، اعلانات کی گونج، اور الوداعی گلے ملتے چہرے، جذبات کی ایک پوری دنیا کا منظر پیش کر رہے تھے۔ کوئی برسوں بعد وطن لوٹا تھا، تو کوئی آنکھوں میں نمی، اور دل میں بچھڑنے کا بوجھ لئے پردیس روانہ ہو رہا تھا۔

انہی چہروں کے بیچ، ایک سادہ لباس میں ملبوس نوجوان خاموشی سے اپنا بھاری سا سوٹ کیس گھسیٹتا بورڈنگ گیٹ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی، آنکھوں میں تھکن اور کچھ ان کہا چھپا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پارکنگ ایریا میں نمودار ہوا۔ اردگرد کھڑی گاڑیوں کے درمیان متلاشی نگاہوں سے کچھ تلاش کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس کی نظر ایک سیاہ جیپ پر جا ٹھہری۔ اس کی چال میں اب اعتماد آچکا تھا۔ ہاتھ سے بالوں کو ایک ہلکی سی ترتیب دی، اور بیگ گھسیٹتا ہوا وہ جیپ کے قریب پہنچا۔

"سلام، سر"

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہی وہ چونک کر باہر نکل آیا۔

اس کی آواز ٹھہری ہوئی تھی، مگر لہجہ سخت اور بے تاثر تھا۔ "چابی"

ڈرائیور نے جھجکتے ہوئے چابی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی اور خود ایک طرف ہو گیا۔

ا

نوجوان نے پیچھے کا دروازہ کھول کر بیگ بے نیازی سے پھینکا، پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ کچھ ہی لمحوں بعد، اسلام آباد کی ہموار، نم دار سڑکوں پر جیپ دھول اڑاتی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ اس کی پشت میں رہ گیا بس ایک اجنبی شہر، ایک اجنبی رات اور کچھ سوال۔

"سر... وہ جیپ لے کر چلے گئے ہیں۔ مجھے ایئرپورٹ پر ہی چھوڑ دیا ہے۔"

ڈرائیور نے ہلکی پریشانی سے کسی کو فون کیا، اطلاع دی، اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

سٹریٹ لائٹس کی روشنی میں سنسان سڑک کسی خواب کی مانند پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔ گاڑی کے اندر، ڈیش بورڈ پر رکھا موبائل بجنے لگا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہارون کے ہونٹوں پر ابھری۔ وہ گویا وقت کے سینے پر لوٹنے والے زخموں کو دیکھ رہا تھا۔ "ویلکم ٹو پاکستان، ہارون خانزادہ۔"

فون کی دوسری طرف کسی شوخ لہجے میں مسکرا کر دل سے اس کا استقبال کیا۔

"شکریہ، دبیر احمد۔ جلد ملاقات ہو گی۔"

ہارون نے سپیکر بند کیا اور موبائل سائیڈ پر پھینک دیا۔

زیادہ باتیں کرنا، خود کو دوسروں پر ظاہر کرنا، یا کسی سے بے تکلف ہونا اس کی فطرت میں کبھی شامل نہیں رہا تھا۔

اور فطرت... وہی جو اکثر انسان کو اس کی خاموشیوں سمیت برباد کر جاتی ہے۔ اس سے وہ فیصلے کرواتی ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں
۔

☆☆☆☆

سارا دن اپنے پسندیدہ کاموں میں مصروف رہنے کے بعد زرش اس قدر تھک چکی تھی کہ رات کے کھانے کے بعد برتن سمیٹتے ہوئے نیند کے جھونکے اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔ وہ کچن میں جھکی ہوئی تھی جب والد کی آواز نے جیسے اسے چونکا دیا۔

"زرش بیٹا، دروازہ اچھے سے بند کر لو، میں کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں۔" وہ ہاتھ پلو سے خشک کرتے کچن سے باہر آئی اور حیرت سے بولی۔

" بابا جان! اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟" سعید صاحب کے چہرے پر سنجیدگی اور آواز میں غیر معمولی سختی تھی۔ "بیٹا، ضروری ہے، واپس آ کر بتاؤں گا۔" لیکن جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا، منظر بدل گیا۔ باہر چند سائے بندوقیں تھامے اندر داخل ہوئے۔ دروازہ زور سے کھلا، جیسے فضا میں موت کی چاپ سنائی دی ہو۔ زرش کا دل لرز گیا، وہ اپنی چادر کو چہرے پر لپیٹتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ سب سے آگے کھڑا شخص، جو حلیے سے لیڈر لگ رہا تھا، زہر آلود مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

ا

" کیسے ہیں، مسٹر سعید؟" اور پھر ستائشی نظروں سے زرش کو گھورنے لگا۔ سعید صاحب لمحہ بھر کو رکے، لیکن فوراً بیٹی کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ "میں نے پہلے بھی کہا تھا، تم لوگوں کی کسی بات کو تسلیم نہیں کروں گا۔" لیڈر نے طنزیہ انداز میں سرگوشی کی۔" ہمارے باس خود آرہے ہیں آپ سے ملنے، لیکن وہ بات نہیں کرتے، صرف فیصلے سناتے ہیں... جومان لے وہ خیر، جو نہ مانے... وہ خیر سے جاتا ہے۔ "

خوف نے زرش کی آنکھوں میں بسیرا کر لیا، مگر سعید صاحب کی آنکھوں میں ضد اب بھی چمک رہی تھی۔ لیڈر نے جاتے وقت پلٹ کر آخری وارننگ دی۔

"ابھی بھی وقت ہے... ورنہ جو ہوگا وہ موت سے بدتر ہوگا۔" جیسے ہی وہ اندھیرے میں گم ہوا، سعید صاحب نے دروازہ بند کیا زرش نے اپنے اٹکتے سانس کو بحال کیا اور وہ وہیں کرسی پر گر پڑے۔ برسوں کی تھکن اور اندر کے زخم ان کے چہرے پر نمایاں تھے۔ زرش کچن سے پانی لے کر آئی اور لرزتی آواز میں بولی، "پانی پیجیے بابا جان... حوصلہ رکھیے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اپنے والد کو دلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھی، مگر وہ خود خوف سے کانپ رہی تھی۔ گاؤں کی سادہ سی نازک جان لڑکی تھی وہ اس کے لئے یہ معاملہ بے حد پیچیدہ تھا۔

☆☆☆☆☆

بادِ صبا کے چلتے ہی چند پرندے جاگ اُٹھے۔ افق کی سیاہ چادر پر سفیدی نمودار ہونے لگی تو وہ دونوں بھی نیند سے بیدار ہو گئے۔ نماز کے بعد سارا سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا، اور حسن آراء کی ہدایات سنتے ہوئے باسل کے چہرے پر بکھری اداسی اور خاموشی، رخصتی کا منظر مزید سنجیدہ بنا رہی تھی۔

ابرش کے چہرے پر البتہ خوشی کی ایک نرم سی جھلک تھی۔ جامنی رنگ کی نرم کاٹن کی فراک اُس پر خوب جچ رہی تھی۔ سکارف سے چھوٹی چھوٹی لٹیں نکل کر چہرے کے گرد ہلکورے لے رہی تھیں۔ وہ کبھی باہر کے منظر کو دیکھتی، کبھی بالاج کو—جو حسبِ معمول خاموشی اور سنجیدگی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

"بالاج، میں پہلے ہی بتا رہی ہوں، انسٹرکٹر بن کر روکنے ٹوکنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، ورنہ سارا مزہ خراب ہو جائے گا۔"

ابرش نے چشمہ اور موبائل بیگ سے نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

بالاج کی نگاہیں ڈیش بورڈ سے ہوتی ہوئی اُس کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"میں صرف تمہیں بیوقوفی سے بچاتا ہوں۔ بڑی ہو گئی ہو، لیکن بچپنا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔"

ابرش نے فوراً کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ (پھر سے شروع ہو گئے اللہ میں نے کیوں چھیڑا انہیں) دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ بالاج نے نگاہ سڑک پر مرکوز کرتے ہوئے سوچا: "یہ کبھی نہیں سدھر سکتی۔"

کچھ دیر بعد خاموشی کو ابرش نے خود توڑا۔

"اچھا، ویسے ہم کنڈول جھیل بھی جائیں گے نا؟"

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

"ہمم، چلیں گے۔" وہ بدستور سڑک پر نظریں جمائے، سپاٹ لہجے میں بولا۔

ابرش نے منہ بنالیا۔ پتہ نہیں، اتنا کھڑوس کیوں ہے یہ؟

وہ سنجیدہ، کم گو، اور جذبات کو دل میں چھپائے رکھنے والا مرد تھا، جب کہ اس کی بیوی... وہ ہر احساس کا اظہار کرنا جانتی تھی، بلکہ جان بوجھ کر اسے چھیڑنے میں خاص مزہ لیتی تھی۔

"ویسے کل مال میں وہ لڑکی کون تھی؟"

کل کی یاد ذہن میں آتے ہی ابرش نے بے نیازی سے سوال داغا۔ بالاج کی گردن کی رگ تھوڑی سی تن گئی۔

"پتا نہیں... ہو گی کوئی سر پھری۔"

اس کے لاپرواجواب پر ابرش نے مسکراہٹ دبائی، اور سفر خاموشی و شرارت میں بیتنے لگا۔

بالآخر ہوٹل کے سامنے گاڑی رکی۔ ابرش کی نظریں چھتوں پر پھیلے روایتی نقش و نگار پر جا ٹھہریں۔

"یہ ہوٹل ہے یا کوئی پرانا شاہی محل؟" وہ ستائش سے بولی۔

بالاج اس کے قریب آکر مسکرایا، "یہ سرینا ہے... سوات کا دل۔ یہاں وقت بھی سانس روک کر چلتا ہے۔ بیگم۔"

اندر داخل ہوتے ہی سنگِ مرمر کی ٹھنڈک، پر شکوہ فانوس، روایتی فرنیچر کی مہک، اور باغیچوں سے بہتے فواروں نے جیسے اُن دونوں کو ایک الگ ہی دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ یوں چل رہے تھے جیسے بادشاہ اور ملکہ اپنے شاہی دربار کی سیر کو نکلے ہوں۔

ریسپشن سے کمرے کی چابی لیتے ہوئے کئی نگاہوں نے مڑ کر اس جوڑے کو دیکھا—جیسے اُن کی تمکنت اور ہم آہنگی کا اعتراف زبانِ حال سے کر رہی ہوں۔

اور ان ہی لمحوں میں، سادہ سی سیاہ شرٹ اور پینٹ پہنے، سر پر کیپ اور آنکھوں پر سیاہ فریم والا چشمہ سجائے، ایک اور شخص ریسپشن کی طرف بڑھا۔ اُس نے خاموشی سے چابی لی، سوٹ کیس سنبھالا اور بنا کسی احساس کے... اُسی راہداری میں ان کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆☆

رات کے واقعے سے وہ بے حد پریشان ہو چکی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ سب سے پہلے عائشہ کی طرف گئی، لیکن بدقسمتی سے وہ گھر پر موجود نہیں تھی۔

واپسی پر وہ سست روی سے چلتی ہوئی ایک جھرنے کے قریب ٹھہر گئی۔ ہر طرف خاموشی تھی، دھوپ اگرچہ تیز تھی لیکن ارد گرد قطار در قطار کھڑے درختوں کے سائے نے گرمی کا احساس ختم کر دیا تھا۔ وہ بہتے جھرنے کے قریب، درخت کے سائے میں ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپالیا اور بے آواز آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر چہرے کو بھگونے لگے۔

"اللہ جی، اب ہم کیا کریں گے؟ کہاں جائیں گے؟ بابا کی سالوں کی محنت یوں رائیگاں جا رہی ہے اور میں کچھ نہیں کر پا رہی۔"

اس کی آواز رندھ چکی تھی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ جی، کوئی فرشتہ بھیج دیں ہماری مدد کو، پلیز۔"

وہ اس قدر غم میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اسے یہ بھی خبر نہ ہو سکی کہ کب کوئی شخص اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ شاید آنے والے کی آہٹ بھی ہوا کو محسوس نہ ہوئی تھی۔

"ایکسکیوز می؟"

زرش نے چونک کر پیچھے دیکھا تو فوراً سہم کر کھڑی ہو گئی۔ سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر اجنبی کے لبوں پر ایک ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں انسان ہوں... اور جیپ سے آیا ہوں۔"

زرش کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اس سے گھبرا کیوں رہی ہے، لیکن وہ چند قدم آگے بڑھا تو زرش کی گھبراہٹ مزید بڑھ گئی۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی کسی غار کی مانند تھی، جتنا دیکھو اتنے ہی راز دکھائی دیتے۔ جیسے ہی زرش پیچھے ہٹی، اس کا پاؤں پھسلا اور وہ لڑکھڑانے لگی۔

"آہہہہہ—"

زرش گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگی، مگر مٹی کی نمی پر اس کے قدم پھسل گئے۔ لمحہ بھر کو اسے لگا کہ وہ جھرنے میں گرنے والی ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، مگر اس سے پہلے کہ وہ گرتی، ایک مضبوط ہاتھ نے اس کی کلائی تھام کر اسے کھینچ لیا۔ کچھ پل ساکت رہنے کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں، تو خود کو محفوظ اور کھڑا پایا۔ وہ شخص اسے سنبھال چکا تھا۔ اس کی مضبوط گرفت سے خود کو چھڑاتے ہوئے زرش نے جلدی سے فاصلہ اختیار کیا اور لرزتے دل کو سنبھالا۔

"کنڈول جھیل کی طرف جا رہا تھا، راستہ بھٹک گیا۔ بس وہی پوچھنے کے لیے آپ کی طرف آ گیا۔"

وہ اپنی جیکٹ درست کرتے ہوئے سرد مہری سے بولا۔ زرش نے اپنے ہاتھ کو تھامتے ہوئے نظریں جھکائیں۔

"جیپ جھیل کی طرف نہیں جاتی... آپ کو آگے کا سفر کھچر پر کرنا ہوگا۔ یا پیدل۔"

وہ نہ رکنا چاہتی تھی اور نہ ہی مزید کوئی سوال۔ ہارون، جو یہ سب دیکھ رہا تھا، اس کی گھبراہٹ، بھاگتی چال، اور لرزتے لہجے سے حیران ہو گیا۔ وہ زیرِ لب بس اتنا کہہ سکا "عجیب لڑکی ہے!" شاید اسے اندازہ نہ تھا کہ یہ مختصر اور غیر متوقع ملاقات آنے والے وقت کی ایک ان دیکھی کہانی کی پہلی سطر تھی۔

☆☆☆☆

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

شام کے سائے آہستہ آہستہ گہرے ہو رہے تھے۔ سورج افق کے کنارے پر سست روی سے ڈوب رہا تھا، اور پرندوں کی ٹولیاں اپنے گھونسلوں کی جانب پرواز کر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، جس سے سوات کا موسم مزید دلکش لگ رہا تھا۔ دن کے وقت گرمی کی ہلکی سی جھلک ضرور ہوتی تھی، مگر شام ہوتے ہی یہ وادی ایک خواب ناک منظر میں ڈھل جاتی تھی۔ سارا دن باہر سیر کے بعد اب وہ دونوں سرینا ہوٹل کے باغیچے میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

بالاج نے ابرش کو گم صم دیکھ کر آہستہ سے چٹکی بجائی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

ابرش، جو ہلکے نیلے رنگ کی کاٹن فراک اور ہم رنگ اسکارف میں ملبوس تھی، نظریں آسمان کی وسعت میں جمائے بیٹھی تھی۔ جیسے وہ اردگرد کے ماحول سے کٹی ہوئی کسی اور ہی دنیا میں کھوئی ہوئی ہو۔

"یہ جگہ کتنی حسین ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے خدا نے ساری دنیا کی خوبصورتی یہاں اکٹھی کر دی ہو۔"

بالاج نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ لیکن اس میں اداس ہونے والی کیا بات ہے؟"

اس نے ابرش کی بھوری آنکھوں میں چھپے دکھ کی رمق کو محسوس کر لیا تھا۔

"شائنہ کی یاد آ گئی۔ اسے بہت شوق تھا میرے ساتھ ناردن ایریاز گھومنے کا۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں نمی اتر آئی۔ بالاج نے آہستگی سے اس کا دایاں ہاتھ تھام لیا۔

"آپی! بعض نقصانات ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں۔ لیکن صبر کی شرط یہی ہے کہ ان پر بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے۔"

وہ نرمی سے اس کے ہاتھ کی اوپری سطح پر اپنے انگوٹھے کو پھیرتے ہوئے اسے تسلی دینے لگا۔

"پر وہ کیوں چلی گئی؟ جب میں سوچتی ہوں کہ اس نے کتنی تکلیف سہی ہو گی۔ آخری
لمحوں میں جب وہ مجھے پکار رہی ہو گی۔ آخری سانس تک میری منتظر رہی ہو گی کہ شاید۔۔۔ شاید میں آ جاؤں، اسے بچا لوں۔ لیکن میں نہ آ سکی۔"

اس کی آواز اب ہچکیوں میں ڈھل گئی تھی۔

"میں نہیں بچا سکی۔ یہ ملال مجھے اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔ ہر رات میں اسے خواب میں دیکھتی ہوں۔ وہ بے سکون ہے بالاج۔۔۔ وہ ناراض ہے مجھ سے۔۔۔ اس کی روح تڑپ رہی ہے۔"

آنسو اس کے رخساروں پر خاموشی سے بہنے لگے۔ بالاج اس کیفیت سے واقف تھا۔ شائنہ کا ذکر ابرش کو توڑ دیتا تھا۔

"سب سے بہترین دوست کھو دینا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ایسا نقصان، جس کے بعد ہر خوشی پھیکی لگنے لگتی ہے۔"

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

ایک دوست، جس کے ساتھ آپ نے زندگی کے خواب دیکھے ہوں، مستقبل کی خوشیوں کی تصویریں بنائی ہوں۔۔۔ اور اچانک وہ بیچ راہ میں بچھڑ جائے، تو ایسی تنہائی میں ہر منظر ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ ابرش کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے بالاج اس کے ساتھ تھا، اسے سنبھالنے والا۔

"اچھا چلو، اندر چلیں۔"

وہ آہستگی سے اسے تھامتا، اٹھاتا کمرے میں لے آیا۔ اسے آرام سے بیڈ پر لٹایا، کمفرٹر درست کیا، اور خود بالکونی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا، رونے کے بعد اب ابرش کچھ دیر سکون سے سوئے گی۔

سبزے کو تکتے ہوئے بالاج نے اپنی جیب میں موبائل کی ہلکی وائبریشن محسوس کی۔ موبائل نکال کر اس نے اسکرین پر نظر دوڑائی اور حیرانی سے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو"!!

اس کی آواز میں پیشہ ورانہ سنجیدگی تھی۔

"کیسے ہو، فاتح؟" دوسری طرف سے فرقان صاحب کی بے چین آواز ابھری۔

"میں ٹھیک ہوں، فرقان صاحب۔ آپ بتائیں، کیسے یاد کیا؟"

اس کے لہجے میں قدرے اجنبیت اور احتیاط تھی۔ وہ چھٹیوں پر تھا اور فرقان صاحب کا فون اسے تشویش میں ڈال گیا۔

"ہمم، ویسے ہی۔ واپس کب آرہے ہو؟"

وہ بے زاریت سے بولا- "آج ہی پہنچے ہیں، سر۔ خیریت؟"

"ہاں، سب ٹھیک ہے۔ بس یاد آیا کہ تم دونوں کو شادی کی دعوت نہیں دی، تو سوچا دے دوں۔"

اب ان کی آواز میں تھوڑی نرمی تھی۔

"نہیں سر، اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

بالاج کا شک یقین میں بدلنے لگا تھا۔

"ضرورت ہے، بالکل ہے۔ میں تمہارا باس ہوں، لیکن احمد اور رضا کا دوست بھی۔ آنا تو تمہیں پڑے گا۔ واپس آؤ، تو مجھے اطلاع دے دینا۔"

"ٹھیک ہے سر۔ اللہ حافظ۔"

فون بند کرتے ہوئے وہ خود سے بڑبڑایا، "اللہ خیر کرے۔" کمرے میں آکر اس نے ابرش کو سکون سے سوتے دیکھا، اور پھر خود شاور لینے چلا گیا۔

☆☆☆☆

ا

رات کی تاریکی نے ہر شے کو اپنے لپیٹے میں لے لیا تھا۔ وہ ایک ہال نما کمرا تھا جس کے وسط میں عالیشان نیلے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ شیشے کی سینٹر ٹیبل پر خوبصورت لکڑی سے بنا گھوڑا سجا تھا۔ دائیں جانب دیوار گیر کھڑکی تھی، جب کہ بائیں جانب دروازہ۔ صوفوں پر آمنے سامنے دو نفوس بیٹھے کسی بات پر سنجیدگی سے غور و فکر کر رہے تھے۔

"ویسے تو میں نے بالاج کو ڈھکے چھپے لفظوں میں جلدی آنے کا کہہ دیا ہے، لیکن میں تم سے بھی اس کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔" آنکھوں سے سفید فریم ہٹاتے ہوئے وہ ٹیک چھوڑ کر بالکل سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"کیا بات ہے فرقان؟ لگتا ہے کچھ گڑبڑ ہے؟"

احمد درانی بھی فکر مند ہو گیا۔

"ایک بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا کیس سامنے آیا ہے، اور بالاج ہی ایسے کیس کو سنبھال سکتا ہے۔"

فرقان کی بات سنتے ہی احمد کے چہرے کے زاویے بدلنے لگے۔

"کس طرح کا کیس؟"

"بتاؤں گا وقت آنے پر۔ فلحال میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ بالاج ایک بار پھر تم سب سے دور ہونے جا رہا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم میری بات سمجھو گے اور اپنے گھر والوں کو سنبھال لو گے۔"

ان کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

"فکر مت کرو فرقان۔ میں اور میرے گھر والے ہر حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

بظاہر وہ مطمئن دکھائی دے رہے تھے، مگر اندر ایک کشمکش جاری تھی۔ حسن آراء کو سمجھانا آسان کام نہیں تھا اور یہ وہ ہر بار کرتے آئے تھے۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہاری بیٹی کیسی ہے؟"

اسے خاموش پا کر احمد نے موضوع بدلا۔

"ہمم! ٹھیک ہو گی۔ میری بات کم ہی ہوتی ہے اس سے۔"

اپنی بیٹی کے ذکر پر ان کا لہجہ مایوس ہو گیا۔

"بچپن میں ہی دیکھا تھا اسے۔ اب تو کافی عرصے سے نظر نہیں آئی۔"

"حیات کش کا کیس مکمل ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو اس کام سے الگ کر لیا۔ وہ اس وقت مانچسٹر میں ہے، اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہی ہے۔ اب وہ ایک عام زندگی گزارنا چاہتی ہے۔"

بیٹی کا ذکر آتے ہی ان کے چہرے پر بوجھل کیفیت ابھر آئی۔

ا

"اپنی بڑی بہن سے کافی مشابہت رکھتی ہے ماشاءاللہ۔"

احمد کے جملے پر فرقان کے لبوں پر ایک زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"ساری زندگی میں نے ایک راز کا بوجھ اٹھا کر جی ہے، ڈر کے ساتھ کہ کہیں وہ فاش نہ ہو جائے، کہیں میری بیٹی کو کوئی مجھ سے چھین نہ لے۔ لیکن تمہارا بہت بڑا احسان ہے جو تم نے اس راز کو راز رکھنے میں میری مدد کی۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکوں گا۔"

وہ مشکور نظروں سے احمد کو دیکھ رہے تھے، جو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلا گیا۔

"احمد، تم وہ واحد شخص ہو جو سب جانتے ہو۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری بیٹی کو سنبھال لینا، اسے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار دینا۔""

احمد اپنے دوست کی ایسی باتیں سن کر افسردہ ہوا اور پھر اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔

"اتنی افسردہ باتیں مت کیا کرو یار۔"

اسے تسلی دیتے ہوئے اپنے حصار میں لے لیا۔

فرقان، احمد درانی اور رضا میر کالج کے زمانے کے دوست تھے، اور ایک دوسرے کے ہر اچھے برے وقت سے واقف۔ بالاج کی ٹریننگ سے لے کر اسے ایجنسی کا بہترین جاسوس بنانے تک فرقان کا کردار مرکزی رہا۔ وہ بالاج میں خود کو دیکھتا تھا۔ ایجنسی میں شمولیت کے وقت وہ بھی بالاج جیسا تھا۔ کئی ناممکن مشنز مکمل کرنے کے بعد وہ اعلیٰ عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔ تین خاندانوں کی یہ دوستی وقت کے ساتھ رشتہ داری میں بدل گئی۔ احمد اور رضا نے ایک ہی خاندان کی دو بہنوں سے شادی کی، جبکہ فرقان کی شادی اس کی پھپھی زاد سے ہوئی۔ فرقان کی پیشہ ور مصروفیات نے تعلق کو قدرے محدود کر دیا تھا۔ پھر ایک کیس نے بالاج کو فرقان سے ملوایا، اور ایک نیا باب شروع ہوا۔

☆☆☆☆

سوات کی فضاؤں پر شب کی سیاہی پوری شان سے چھا چکی تھی۔ یہاں کے مکینوں کے لیے عشا کے بعد جاگنا گویا اپنے سکون کے دشمن بننے کے مترادف تھا۔ شب کے کوئی دس بجے کا وقت تھا اور ہر جانب ایک گہرا، بوجھل سکوت طاری تھا۔

گھنے دیودار کے جنگلوں کے بیچ، مٹیالے اور کچے راستے پر ایک ہیولا پوری تمکنت کے ساتھ بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ دور، کسی نامعلوم وادی سے گیڈروں کی نحیف آوازیں آتی تھیں، مگر وہ ان آوازوں کو نظر انداز کرتا، ناک کی سیدھ چلتا رہا۔ ہاتھ میں تھامی ٹارچ کی دھندلی روشنی زمین پر سائے تراشتی جا رہی تھی۔

اچانک وہ ایک پرانے، شکستہ ڈربہ نما مکان کے سامنے ٹھٹھک گیا۔ چاروں جانب ویرانی تھی—ایسی ویرانی جو چیخنا تو چاہتی ہو، مگر آواز نہ پا سکے۔ سیاہ آنکھوں نے سامنے کے منظر کو ٹٹولا۔ مکان کی خستہ دیواریں جیسے ماضی کی راکھ میں لپٹی بیٹھی تھیں۔ ایک پل کو اس کی آنکھوں میں درد کی ایک دھند سی تیر گئی، مگر اگلے ہی لمحے وہ جذب کر گیا۔

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھا، لکڑی کے دوپٹ دروازے پر لٹکی آہنی زنجیر کو کھینچا۔

"چرڑڑڑڑڑ۔۔۔"

دروازہ ایک کراہتی ہوئی آواز کے ساتھ کھلا اور دھیرے دھیرے پچھلے زخموں کی طرح چیرتا چلا گیا۔ دہلیز کے پار جھانک کر اس نے ماضی کا ایک پرانا باب کھولنے کی جسارت کی۔

"آہ۔۔۔ اٹھارہ برس پہلے بھی یہ مکان یتیم تھا، آج بھی تنہائی کا بوجھ ڈھو رہا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ایک سرد مہری اتر آئی—وہ سرد مہری جو انسان اپنے زخموں سے تنگ آکر اوڑھ لیتا ہے۔

قدم رک گئے۔ وہ اندر داخل نہ ہو سکا۔ واپسی کی نیت سے پلٹا تو بائیں جانب نظر ایک شے پر جا ٹھہری—ایک پرانا جھولا، جسے کسی بچپن کی ضد، ماں کی غیر موجودگی اور دو بھائیوں کی محنت نے تخلیق کیا تھا۔

دو زنگ آلود زنجیریں اب بھی اس کو قید کیے ہوئے تھیں، اور جھولا شاخ سے ایسے لٹک رہا تھا گویا وقت کی رسی تھامے زندگی کے سب سے نرم لمحے کو روک لینا چاہتا ہو۔

ماضی کے دریچوں سے ایک دھندلی سی تصویر ابھری—ایک دس سالہ بچہ، آنکھوں میں آنسو، چہرے پر ضد، سینے میں محرومی۔ اس سے چھوٹا سات آٹھ سالہ بچہ اسے مسلسل روک رہا تھا-"مما آئیں گی تو وہ بنا دیں گی-" معصوم بچے نے امید دلائی-

"مما نہیں آئیں گی! انہیں جب ہونا ہوتا ہے، تب نہیں ہوتیں"

ننھی انگلیوں میں آری تھامی تھی، ہارون نے اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا—"ہارون اپنا جھولا خود بنائے گا-اسے کسی کی مدد نہیں چاہئے-" مسلسل لکڑی پر اری چلاتے وہ بضد تھا-

"لیکن میں پھر بھی آپ کی مدد کروں گا بھائی-"

ننھے ہاتھوں میں آبلے پڑے، مگر شام تک وہ جھولا تیار ہو گیا۔ وہ جھولا جس پر دو بھائی بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتے، خواب بُنتے، اور ماں کی کمی کو بانٹتے۔

حال میں پلٹتے ہی، آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے آسمان کی جانب دیکھا، جیسے کسی ان دیکھے وجود سے وعدہ کر رہا ہو۔

"میں اپنے بھائی کو ڈھونڈ نکالوں گا۔۔۔ آج نہیں تو کل، لیکن وہ میرے ساتھ ہو گا۔۔۔ میرے پاس ہو گا۔"

یہ کہہ کر اس نے جھولے کی زنجیر کو بھینچا، جس سے شاخ پر بیٹھا اُلو گھبرا کر اڑ گیا—اور ویرانے میں پیچھے صرف "ہارون خانزادہ" رہ گیا۔۔۔ اپنے نئے مقصد کے ساتھ۔

☆☆☆☆☆

ناشتے سے فراغت پالینے کے بعد، وہ دونوں کنڈول جھیل کی سمت روانہ ہوئے۔ بالاج نے اس سفر کے لیے ایک مقامی ڈرائیور سے جیپ کرایہ پر حاصل کرلی تھی تاکہ تمام تر توجہ وہ فقط ابرش پر مرکوز رکھ سکے۔ گزشتہ دن کی تلخیوں کے برعکس، آج اس کا مزاج خوشگوار تھا، گویا دل کی دھوپ بادلوں کو چیر کر باہر آگئی ہو۔

ابرش نے خاکی رنگ کا ایک طویل، نفیس اور سادہ کاٹن اسکرٹ زیب تن کیا تھا، جو ہوا کے نرم جھونکوں سے لمحہ بہ لمحہ ہولے ہولے لہرا رہا تھا، جیسے فطرت خود اُس کے وجود کو گنگنارہی ہو۔ اس پر سفید رنگ کی مکمل آستینوں والی سلیقے سے استری شدہ قمیص تھی، جس کی آستینیں کلائیوں پر ہلکی سی شکن کے ساتھ مڑیں ہوئی تھیں، جیسے وقار اور نسوانیت کے سنگم پر کوئی خاموش جمال کھڑا ہو۔ اس کی سادگی میں بھی ایک پرکشش بانکپن تھا— نمائش سے پاک، مگر نگاہوں کو بے اختیار اپنی جانب کھینچنے والا۔ بھورے لیس والے واکنگ شوز، صاف ستھرے اور آرام دہ، اُس کی مہم جو طبیعت کا پتا دیتے تھے۔ ایک چھوٹا سا کراس باڈی بیگ اُس کے کندھے سے یوں جھول رہا تھا جیسے وہ کسی سرسبز خواب کا ہمسفر ہو، اور سادہ سے سن گلاسز اُس کی آنکھوں کو دھوپ سے بچاتے ہوئے اُسے اُس فطری منظر کا حصہ بننے میں مدد دے رہے تھے۔

بالاج کی نظریں بظاہر سڑک پر مرکوز تھیں، مگر دل و دماغ ابرش کی موجودگی سے سرشار۔ وہ خاموش نہ رہ سکا۔

"ڈریسنگ سینس اچھا ہوگیا ہے تمہارا۔"

"میرا ڈریسنگ سینس شروع سے ہی اچھا ہے، مسٹر!" ابرش نے اس کا نیم رُخ دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا۔ "اور اگر تعریف کرنی ہے تو سیدھی طرح کہہ دیں کہ ابرش تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" وہ اترا کر بولی۔ اس کا اترانا بجا تھا؛ وہ واقعی حسین تھی، اور بالاج جیسے شخص کی پسند۔

بالاج نے خاکی رنگ کی جینز کے ساتھ ہلکے زیتونی رنگ کی کیمبل شرٹ پہن رکھی تھی، جس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کے پیروں میں بھاری بھرکم ہائیکنگ بوٹ تھے، جن پر سفر کی گرد ابھی تک جمی ہوئی تھی۔ کلائی پر پرانی، مگر بے حد خاص گھڑی بندھی تھی—سیاہ رنگ کی، جس کی اسکرین پر ہلکی سی خراش تھی، جیسے وقت نے خود اُس پر اپنے نقش ثبت کیے ہوں۔ آنکھوں پر میٹ بلیک شیڈز، جن کے پیچھے چھپی شرارت بھری نگاہیں ابرش سے اوجھل تھیں۔

"پہلے بھی ٹھیک تھا، مگر میرے ساتھ رہ کر زیادہ اچھا ہو گیا ہے۔ اور میرے سامنے تم بس ٹھیک ٹھاک ہی لگتی ہو۔" اُس نے سٹیئرنگ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ایک سرسری سی نظر ابرش پر ڈالی، جو خاموشی سے بیٹھی تھی، گویا کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ ٹرپ پر جتنے کپڑے لائے ہیں، وہ سب میں نے خریدے تھے۔" وہ اُسے جتاتے ہوئے گویا ہوئی۔

بالاج کے ذہن میں فوراً وہ لمحہ تازہ ہو گیا، جب شاپنگ کے بعد ابرش نے اُسے فوڈ کورٹ میں بٹھا کر اس کی مرضی کے خلاف اپنی پسند سے سب سامان خریدا تھا۔

"اوہوہ! آپ کی اس کرم نوازی کا میں بے حد ممنون ہوں، بیگم۔" وہ معصومیت سے شکل بناتے ہوئے، بایاں ہاتھ دل پر رکھ کر سر خم کرتا کچھ اس ادا سے بولا جیسے کوئی غلام بادشاہ کے دربار میں ادب سے بادشاہ کی کرم نوازی کا شکر ادا کر رہا ہے۔

ابرش اُس کی اس ادا پر کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے، بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ اُس لمحے بالاج کو اُس کی ہنسی دنیا کی سب سے حسین آواز محسوس ہوئی۔

"بس بس، میڈم! میں نے ایسا بھی کیا کر دیا جو آپ ہنسے چلی جا رہی ہیں؟"

ابرش، ہنسی روکنے کی کوشش میں پیٹ پکڑ کر بیٹھی تھی اور آنکھوں سے ہنسی کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"قسم سے، آپ نے جو شکل بنائی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے دنیا کے سب سے مظلوم، مسکین اور بیچارے شخص ہیں آپ—اور میں نے واقعی آپ پر کوئی عظیم احسان کیا

ہے۔" وہ ہاتھ ہوا میں لہراتے بولی۔

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتیں، بیگم، کہ میں معصوم، شریف اور ہینڈسم لگ رہا ہوں! یہ ڈھکے چھپے لفظوں میں تعریف کرنے کا فائدہ؟" وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے تن کر بیٹھا۔

"خوش فہم انسان"

ابرش ایک بار پھر ہنس دی، اور بالاج بھی اُسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ شاید اُس لمحے اُس کا دل ذرا سا ہلکا ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

زرش نے کھانے کے برتن سمیٹے اور جیسے ہی لاؤنج میں آ کر بیٹھی، کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کے والد باہر نکلے۔

"بابا! کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

زرش کی نگاہ ان کے ہاتھ میں تھامے سیاہ چمڑے کے بیگ پر جا ٹھہری۔

"اسلام آباد۔"

انہوں نے مختصر سا جواب دیا اور بیگ کرسی پر رکھ کر دروازے کے پاس رکھے شو ریک کی طرف بڑھ گئے۔

جوتے اٹھا کر وہیں بیٹھے، انہیں پہننے لگے۔

"سب خیریت تو ہے نا بابا؟"

زرش ان کے پاس آئی، اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"ایک پرانا دوست ہے، وکیل ہے۔ امید ہے میری مدد کرے گا۔"

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

وہ جوتے پہن کر اٹھے اور بیٹی کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں پریشانی کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"مگر بابا، میں اکیلی کیسے رہوں گی؟"

"گل! میں تمہیں ساتھ لے جاتا، مگر تمہیں طویل سفر راس نہیں آتا۔ طبیعت بگڑ جائے گی۔ میں رات تک لوٹ آؤں گا۔"

انہوں نے بیگ اٹھایا اور دروازے کی سمت بڑھ گئے۔ زرش کی اداس آواز نے انہیں روک لیا،

"اپنا خیال رکھیے گا بابا"!

وہ پلٹے، نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تم بھی اپنا خیال رکھنا بچی! اور خبردار، دروازہ کسی اجنبی کے لیے نہ کھولنا۔"

وہ دروازے سے باہر نکل گئے۔ زرش نے دروازے کی کنڈی اچھی طرح چڑھائی اور اپنے کمرے میں آگئی۔

کمرہ پرسکون تھا۔ باہر شام دھیرے دھیرے اُتر رہی تھی۔ کمرے کی بالکنی میں نکل کر وہ لکڑی کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے کھڑی ہوگئی۔ سامنے پہاڑوں سے گرتی آبشار، ہر طرف پھیلا ہراہٹ، اور ہوا میں بکھری جنگلی پھولوں کی مہک—سب کچھ بے حد دلفریب تھا۔

اسی خامشی میں اس کی نظر کلائی پر پڑی۔ سفید کلائی پر ایک نیلا اور سرخ دھبہ تھا۔

اس نے دھیرے سے انگلیوں کے پوروں سے چھوا۔

"پتہ نہیں ہاتھ تھا یا ہتھوڑا! اگر کچھ دیر اور پکڑے رکھتے تو ہڈی ہی ٹوٹ جاتی"

وہ جھنجھلا کر بڑبڑائی۔ کل کے واقعے کی تلخی اب بھی ذہن پر سوار تھی۔

اسی لمحے، اسے ایک اور آواز سنائی دی۔ اُس نے چونک کر اِرد گرد دیکھا۔

آبشار کے کنارے دو وجود دکھائی دیے۔

دو ہنستے کھیلتے، زندگی سے بھرپور انسان۔

"شاید کوئی نیا جوڑا سیر کرنے آیا ہے۔"

زرش نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں زرش کے قریب پہنچ گئے۔

"السلام علیکم! کیا آپ ہماری مدد کر سکتی ہیں؟"

لڑکی کی آواز نرم اور خوش اخلاق تھی۔ زرش نے اسے سر سے پیر تک دیکھا، پھر اس کے ساتھ کھڑے مرد کی طرف نگاہ گئی جو نظریں جوتوں پر جمائے کھڑا تھا۔

"جی، بابا گھر پر نہیں ہیں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

زرش محتاط لہجے میں پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے گھبرا کیوں رہی ہو؟ ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں۔ میرا نام ابرش ہے، اور یہ میرے شوہر بالاج۔ ہم کنڈول جھیل جا رہے تھے، غلط راستہ لے لیا اور جیپ پھنس گئی۔ سگنل بھی نہیں آ رہے۔"

ابرش نے اسے نرم لہجے میں سمجھایا، پھر بالاج کی طرف غصیلی نگاہ ڈالی۔

"اچھا! پکا چور ڈاکو تو نہیں ہیں نا؟"

زرش کی معصومیت پر ابرش کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"نہیں، بالکل نہیں"

ابرش نے نفی میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، میں دروازہ کھولتی ہوں، اس طرف سے آ جائیں۔"

زرش جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوئی، بالاج نے اُس کی نقل اتارتے ہوئے کہا

"پکا چور ڈاکو تو نہیں ہیں نا؟"

ابرش نے شرارت سے اس کے کندھے پر مکا مارا،

اور دونوں کا قہقہہ بالکونی کی خاموش فضا میں گونجنے لگا۔

"اگر آپ اوور کانفیڈنٹ ہو کر اکیلے جیپ لے کر نہ آتے تو ہم اس وقت جھیل پر ہوتے نہ کہ یہاں-" وہ اسے اس کی غلطی یاد کرواتے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

زرش نے دروازہ کھولا اور ایک جانب ہو کر انہیں اندر آنے کی اجازت دی-وہ دونوں خفیف سی مسکراہٹوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور اپنے جوتے ایک طرف رکھ دیے۔ چھوٹی سی راہداری سے گزرتے ہی وہ ایک کشادہ ہال میں آ پہنچے، جہاں ایرانی لال قالین فرش پر بچھا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھیں، میں پانی لے کر آتی ہوں۔" زرش انہیں صوفے پر بٹھا کر کچن کی جانب چلی گئی۔ بالاج نے گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لینا شروع کر دیا، گویا دیواروں سے مکالمہ کر رہا ہو۔ ابرش نے اسے ٹوکا

"کیا کر رہے ہیں؟ یہ کسی جرم گاہ کا منظر نہیں کہ آپ ہر شے کا معائنہ فرما رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا-

" دیکھنا پڑتا ہے بیگم، آپ نہیں سمجھیں گی۔"

کچھ ہی دیر میں زرش دو گلاس پانی تھامے واپس آئی۔ دونوں نے گلاس تھام لیے تو وہ بھی ان کے روبرو ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

"اب تو جھیل کی طرف جانا ممکن نہیں رہا، آپ لوگ واپس چلے جائیں۔" زرش نے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا جو چھ بجا رہی تھی۔

ابرش نے بالاج کو دیکھا، جو بدستور بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا۔

" لیکن ہماری جیپ بند پڑی ہے، اور یہاں تو دور دور تک نہ کوئی انسان ہے نہ کوئی ہوٹل۔" ابرش کے لہجے میں بیچارگی تھی۔

" یہ گاؤں مختصر سا ہے، یہاں محض چند خاندان آباد ہیں، سہولیات کی کمی ہے، اسی لیے باہر کے لوگ یہاں آنے سے گریز کرتے ہیں، زیادہ تر کاشت کاری کے لیے ہی لوگ آتے ہیں۔" زرش نے وضاحت دی۔

"تو اب ہم واپس کیسے جائیں گے؟" بالاج نے ساری گفتگو میں پہلی بار مداخلت کی۔

" آپ لوگ بابا کے آنے کا انتظار کر لیں، وہ آئیں گے تو ضرور مدد کریں گے۔" اگرچہ اس کی بات میں اعتماد تھا، مگر ان دونوں نے اس کی آنکھوں میں ایک انجانی گھبراہٹ کی پرچھائیاں محسوس کیں۔ شاید وہ بالاج کی موجودگی سے کچھ بے چین تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ابرش نے ماحول کو پرسکون بنانے کی کوشش کی۔

زرش مسکرائی "زرش گل۔ میرے بابا کہتے ہیں کہ گل اس دنیا کی سب سے خوبصورت اور معصوم لڑکی ہے بالکل پھولوں کی طرح۔" ابرش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واقعی تم صرف معصوم ہی نہیں، خوبصورت بھی ہو۔"

"بالاج، پلیز جیپ سے میرا بیگ لے آئیں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ زرش، ابرش کے قریب آ کر بیٹھ گئی

"فکر نہ کریں، میرے شوہر اب اندر تب تک نہیں آئیں گے جب تک بابا واپس نہیں آتے، ٹھیک ہے؟" ابرش کی آنکھوں میں اطمینان تھا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ان کی موجودگی سے گھبرا رہی ہوں؟" زرش نے معصومانہ سوال کیا۔

"کیونکہ میں ڈاکٹر ہوں اور لوگوں کے تاثرات پڑھ کر ان کے دل کی بات جان لیتی ہوں۔" ابرش نے نرمی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

زرش کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں

"آپ ڈاکٹر ہیں؟" اُس نے بچوں جیسی معصومیت سے سوال کیا۔ جب ابرش نے اثبات میں سر ہلایا تو فوراً ایک اور سوال داغا۔

" تو پھر آپ کے شوہر آپ کی ان کہی باتیں کیسے سمجھتے ہیں؟ وہ بھی ڈاکٹر ہیں کیا؟" ابرش کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

" کیونکہ وہ میرے شوہر ہیں، اور مجھے بخوبی جانتے ہیں۔"

زرش کچھ دیر خاموش رہی، پھر آہستگی سے بولی۔

ا

"جب سے بابا گئے ہیں، میں بہت ڈری ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر کچھ بہتر محسوس ہو رہا ہے۔" ابرش نے حیرت سے زرش کا چہرہ دیکھا۔ کچھ دیر پہلے وہ ان سے خائف تھی اور اب یکایک کتنی سہولت سے گفتگو کر رہی تھی، جیسے بچپن کی سہیلی ہو۔ اس کی معصومیت اور بے ساختگی، ابرش کو بھا گئی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے شائنہ بیٹھی ہو۔

کچھ لوگوں سے پہلی ملاقات، پہلی نہیں لگتی۔ ان سے ملتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ شاید ہم انہیں پہلے سے جانتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ عالمِ ارواح میں روحوں کی شناسائی کہیں نہ کہیں قائم ہو چکی ہوتی ہے۔ دنیا میں جب وہ روحیں دوبارہ ملتی ہیں تو اجنبیت کا پردہ خود بخود ہٹ جاتا ہے۔ دونوں عورتیں باتوں میں مگن ہو گئیں۔ زرش کی خوش مزاجی، شوخی اور شفافیت، ابرش کو بے حد بھا گئی۔ وہ بڑبولا پن اس میں ایک اپنائیت بھر گیا تھا۔

☆☆☆☆

سرینا ہوٹل کی راہداری اس وقت سنّاٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دائیں بائیں کمروں کے دروازوں کے اوپر نیم روشن زرد بلب کسی ماں کی جھلمل آنکھوں کی مانند ٹمٹمارہے تھے۔ یہ مدھم سی روشنی جب راہداری کے فرش پر پڑتی تو اُس کے قدموں کا سایہ دیواروں پر لرزنے لگتا— جیسے کوئی ہیولا دھند میں ابھرتا ہو، اور پھر نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

جوں جوں وہ لابی سے راہداری کی تہہ میں داخل ہوا، سایہ اس کے وجود سے جدا ہو کر ایک دیومالائی شبیہ کی طرح دیواروں پر پھیلتا گیا۔ اُس نے راہداری کے آخری دروازے پر قدم روکا، کارڈ ساکٹ پر رکھا، اور ایک خفیف سی "کلک" کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

کمرہ تاریکی میں غرق تھا— ایک ایسی تاریکی، جو کسی ناگہانی طوفان سے پہلے کی خاموشی جیسی ہوتی ہے۔ اُس نے دیوار پر ہاتھ مار کر سوئچ آن کیا تو لمحے بھر میں کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ قالین شدہ فرش، دبیز پردے، سنگِ مرمر کی میز اور خوشبو سے معطر ماحول... سب کچھ تھا، مگر پھر بھی ایک عجیب سی ویرانی اس کے اندر پنپ رہی تھی۔

دروازہ بند کر کے وہ پلنگ پر جا بیٹھا ہی تھا کہ ایک اور دستک نے سکوت کو چیر دیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا، شرٹ کا اوپری بٹن کھولا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔

"سلام، سر!" دروازہ کھولتے ہی وہ بنا دیکھے پیچھے پلٹا، گویا وہ جانتا ہو کہ باہر کون ہے۔

"کیسے ہو سعد؟" اس کی آواز جذبات سے عاری تھی، جیسے کوئی مشین بول رہی ہو۔

"جی سر، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ... آپ کہاں تھے سر؟" سعد نے جھجکتے ہوئے پوچھا، سر احترام سے جھکا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ... میری روداد سننے کے لیے بہت حوصلہ درکار ہے۔" ہارون نے سنگل صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ اس کے لبوں پر ایک اجنبی سی، زبردستی کی مسکراہٹ تھی۔

ا

"اٹھارہ برسوں بعد اس شہر میں قدم رکھا ہے، سعد۔ دل بے چین ہے، مگر نہ بے سکونی محسوس ہو رہی ہے، نہ سکون۔ ایک خلا ہے... جو کچھ کہتا نہیں، بس اندر ہی اندر چیختا ہے۔"

وہ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو کر چھت کو تکتا رہا۔

"میرے بھائی کا پتہ نہیں، وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے... اور اگر زندہ ہے تو... کیسا ہو گا؟"

اُس کی آواز میں ایک سرد آہ تھی، جیسے برسوں کی پیاس ہونٹوں پر آ کر دم توڑ جائے۔

"بس ایک بار... ایک بار مجھے یہ جان لینا ہے کہ ان لوگوں نے اُسے کہاں چھپا رکھا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ سعد سہم کر تھوڑا قریب ہوا۔

"سر، آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔" اُس کی آواز میں عقیدت تھی۔

"کل ہی دبیر احمد کا کام کر دوں گا۔ اور اُس کے بعد... میں اپنے بھائی کے اور قریب ہو جاؤں گا۔" وہ بول نہیں رہا تھا، جیسے خود سے کیا عہد دہرا رہا تھا۔

سعد نے رازدارانہ انداز میں جھک کر سرگوشی کی۔"سر، سعید اسلام آباد گیا ہے... کسی مؤثر وکیل کی تلاش میں۔" ہارون نے طنز سے ہنکارا بھرا۔

"سوات کے لوگ سادہ لوح اور کم عقل ہوتے ہیں، سعد۔ اور تم اُن سے کھیل نہ سکے... اب دیکھو، میں کیسے ان کے دماغ سے کھیلتا ہوں۔"

سعد نادم ہوا، مگر ہارون کا جملہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔

"اور اگر وہ قائل نہ ہوئے تو...؟" سعد نے ہمت جٹا کر سوال کر دیا، مگر اگلے ہی پل اپنی پھسلتی زبان پر پچھتایا۔

ہارون نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ اُن آنکھوں میں شعلے تھے، ایسی آگ جس میں سعد کا سارا اعتماد جھلس گیا۔

"تو پھر وہی انجام ہو گا جو ہر اُس شخص کا ہوتا ہے... جو میرے راستے میں آتا ہے۔" اُس کی مٹھی پلنگ کی چادر میں دھنسی ہوئی تھی، جیسے وہ کسی کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

سعد فوراً سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ وہ جانتا تھا، ہارون جب غضبناک ہو، تب وہ اپنے سائے کی گستاخی بھی معاف نہیں کرتا۔

☆☆☆☆

زرش، جو کافی دیر سے ابرش کے ساتھ باتوں میں مگن تھی، دروازے پر ہونے والی دستک نے یکدم اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

"لگتا ہے بابا آ گئے۔" اس نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی اور کرسی سے اٹھتے ہوئے دروازے کی سمت قدم بڑھائے۔

"رکیے زرش! یہ آپ کے بابا نہیں ہیں"!

ابرش نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا، تو زرش نے چونک کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یقیناً میرے شوہر ہیں۔ تم وہیں رہو، دروازہ میں کھولتی ہوں۔"

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ابرش نے نرمی سے کہا اور تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی، جب کہ زرش حیرت سے اس کی کمر پر جھولتی پونی کو تکتی رہ گئی۔

دروازہ کھلنے کی صدا کے ساتھ بالاج اندر داخل ہوا۔

"لگتا ہے اس کے والد کو دیر ہو جائے گی۔ تم یہیں رکو، یہ جگہ سیف بھی ہے میں ایک ضروری کام نمٹا کر آتا ہوں۔"

اس نے ابرش کو اس کا بیگ تھمایا جو گاڑی میں رہ گیا تھا۔

"اس وقت؟ اور وہ بھی اس ویران جگہ پر کیسا کام؟"

ابرش کے ماتھے پر فکر کی شکنیں ابھریں۔

بالاج اس کے قریب آیا، اور زیرِ لب مسکرا کر آہستہ سے بولا۔

"ضروری کام ہے بیگم، سمجھنے کی کوشش کریں۔ یا پھر تم بھی اب اس کے ساتھ رہ کر اس کی طرح عقل سے پیدل ہو گئی ہو؟"

اس نے نظروں کے اشارے سے زرش کی طرف اشارہ کیا۔

ابرش نے ناراضگی سے رخ موڑا۔

"آپ اپنی بیوی کو یوں تنہا، ایک اجنبی کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں؟"

اس نے معصومیت سے کہا۔

"کیوں کہ مجھے اپنی بیوی پر یقین ہے۔ وہ مضبوط ہے، ہر صورتِ حال کا سامنا کرنا جانتی ہے۔"

بالاج نے نرمی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ دروازے سے ہوا کا ایک نرم سا جھونکا اندر داخل ہوا جو لمحہ بھر کو پرانی یادوں کی طرح بدن سے لپٹ گیا۔

اس نے مصنوئی ناراضگی ظاہر کرتے ہوچھا۔"واپسی کب تک ہو گی؟"

"فکر نہ کریں بیگم، فجر کی سنتیں آپ کے ساتھ ہی پڑھوں گا، ان شاء اللہ۔"

وہ عقیدت سے بولا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے رخسار پر جھولتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔ یہ وہ فرمائش تھی جو ابرش نے آلو کے پراٹھے بنا کر کھلانے کے بدلے اس سے کی تھی۔اس کی خواہش تھی کہ اس ہمسفر فجر کی سنتیں اس کے ساتھ ادا کرے اور بالاج کے لئے اس کی بیگم کا حکم سر آنکھوں پر۔

ابرش نے آنکھیں جھکا کر اجازت دی، اور وہ اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔

ابرش نے دروازہ بند کیا اور ہال میں لوٹی، جہاں زرش اب بھی دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔

ابرش نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔"چلے گئے۔"

زرش نے پلٹ کر دیکھا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ دروازے پر آپ کے شوہر ہیں؟"

چند لمحوں بعد زرش نے تجسس سے پوچھا۔

"کیونکہ وہ دروازہ مخصوص انداز سے کھٹکھٹاتے ہیں۔"

ابرش نے تفصیل سے بتایا "کون سا انداز؟"

"تین بار انگلیوں سے زور سے، دوبار آہستہ انگوٹھے اور چھنگلیا سے، اور آخر میں پورے ہاتھ سے ایک تھاپ۔"

زرش ہونقوں کی طرح سن رہی تھی، پھر بولی۔

"کافی عجیب لوگ ہیں آپ لوگ"

ابرش مسکرا دی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ عجیب نہیں بلکہ وہ ضرورت سے زیادہ سادہ ہے۔وہ اطمینان سے بیٹھی بیگ سے اپنا فون نکالا اور سروس چیک کرنے لگی۔

زرش پریشان ہو گئی۔ "بابا ابھی تک نہیں آئے، اب کیا کریں؟"

ابرش نے مشورہ دیا۔ "انہیں فون کر لو۔"

ابرش ہکا بکا رہ گئی۔ "کیا؟" "میرے پاس موبائل نہیں ہے۔"

وہ کس زمانے کی لڑکی تھی جس کے پاس موبائل نہیں تھا۔جو تنہا پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہتی تھی۔

زرش نے آہستہ سے بتایا کہ صرف ایک لینڈ لائن ہے، وہ بھی خراب ہے۔

ابرش نے اسے اپنا موبائل دیا، اور اس نے والد کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر بعد کال مل گئی۔

"ہیلو بابا کہاں ہیں اپ؟ "

سپیکر پر والد کی آواز گونجی۔تو دل کو کچھ راحت ملی۔

"بیٹا، راستے میں ہوں مگر یہاں ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ٹریفک بند ہے۔ پتا نہیں کب کھلے گا۔"

زرش نے انھیں بتایا کہ ایک مہمان آئی ہوئی ہیں اور ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہے، اب وہ کیا کرے۔ ابرش کے چہرے پر شرمندگی چھا گئی جب زرش نے اسے "باجی" کہہ کر متعارف کروایا۔ زرش کے والد نے نرمی سے سمجھایا کہ ہر کسی پر بھروسہ نہ کیا کرے، لیکن زرش بضد رہی۔سگنل چلے گئے اور کال منقطع ہو گئی۔

"آپ میرے پاس رکیں گی؟"

ا

زرش نے امید سے اسے دیکھا-ابرش کو اور کیا چاہئے تھا اسے کچھ کئے بغیر یہاں رہنے کی آفر مل گئی تھی-

"اگر کھانے کو کچھ مل جائے تو کیوں نہیں"

ابرش نے شرارت سے کہا۔وہ واقعی بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی صبح کے ناشتے کے بعد اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب رات ہو گئی تھی-

" میں ابھی کچھ اچھا سا بناتی ہوں آپ کے لئے-"

وہ مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی تو ابرش بھی اس کے پیچھے کچن کی طرف چل دی-اکثر ایک ان چاہا ساتھ بہت سے دکھوں کا مرہم بن جاتا ہے-

☆☆☆☆☆

سوات محض خوبصورت ہی نہیں بلکہ پر اسرار بھی ہے۔ یہاں شمال، مشرق اور مغرب میں کئی ایسے تنگ و تاریک، پتھریلے پہاڑی راستے ہیں جنہیں مقامی زبان میں بند درے کہا جاتا ہے۔ یہ راستے یوں سنسان اور ہیبت ناک ہیں کہ نہ صرف انسان، بلکہ جانور بھی ادھر کا رخ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک پتھریلا درّہ، جو کبھی چراگاہ کی جانب کھلتا تھا، اب ویرانی کی چادر اوڑھے ایک آسیب زدہ مقام کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ لوگ کہتے تھے، جو یہاں آ جائے، وہ پلٹ کر نہیں جاتا۔ اور راتوں کو یہاں سے عجیب و غریب آوازیں آتی ہیں، جیسے کسی انجانی ہستی کی سسکیاں گونجتی ہوں۔

اور اب وہ دونوں، بالاج اور کمال، اسی درّے کے دہانے پر کھڑے تھے۔

"سر! آپ کو یہی جگہ ملی تھی بلانے کے لیے؟" کمال نے گپ اندھیرے میں ٹارچ کی دم توڑتی روشنی کے سہارے چاروں جانب پھیلے سنسان جنگل کو دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

"ہاں، معاف کیجیے، مجھے آپ کو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں مدعو کرنا چاہیے تھا نا؟" بالاج حسبِ توقع چڑ کر بولا۔

"نہیں مطلب، ہم آپ کے روم میں ہی مل لیتے!" چاروں طرف چھایا خوف اور پھر بالاج کا طنز—کمال کو یوں لگا جیسے آج کا دن اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔

"کام کی بات کرو، کمال! کیا اپڈیٹ ہے؟" بالاج نے اکتاہٹ سے اپنے ہاتھ میں تھامی فائلوں پر موبائل کی ٹارچ ڈال کر پڑھنا شروع کیا۔

"کچھ فرق تو پڑا ہے... ڈاکٹر کے مطابق اس کی حالت اب پہلے کی نسبت کافی بہتر ہے، امید ہے جلد ہوش آ جائے گا۔" وہ ایک رٹے رٹائے طوطے کی مانند بولتا گیا۔

"یہ تو اچھی خبر ہے ہمارے لیے!" بالاج کے چہرے پر لمحاتی مسکراہٹ ابھری۔

"اس کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے، کمال! ڈاکٹر سے کہو، کچھ بھی کرے، لیکن اسے جلدی ہوش میں لائے۔ چھ ماہ ہو گئے، میں انتظار کر رہا ہوں۔ اب اور نہیں!" بالاج نے فائل بند کر کے ٹھپ سے کمال کے ہاتھ میں تھما دی۔

"اور سر، ایک اور بات..."اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

بالاج فوراً چوکس ہو گیا۔"کہو؟"

"جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ میں میٹنگز پر نظر رکھوں...تو جو بات سامنے آئی ہے وہ... سر... بہت عجیب ہے۔"

بالاج نے ایک بھنویں اٹھائی۔ کمال نے جیب سے موبائل نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

وہ ایک ویڈیو تھی۔ ویڈیو میں سمندر کے کنارے گہرے اندھیرے میں خاموش لہروں کے بیچ ایک بے جان عورت پڑی تھی۔ اس کے سینے میں تیز دھار چاقو عین دل کے مقام پر پیوست تھا۔ خون میں لت پت، وہ عورت بائیں جانب خوف سے دیکھ رہی تھی، چہرے پر موت سے پہلے کی اذیت اور درد نقش تھا۔ ویڈیو آگے بڑھی تو کیمرہ ریت پر خون سے لکھی تحریر پر ٹھہر گیا-اور پھر ویڈیو بند ہو گئی۔—"حیات کش —"

ایک گہری تشویش نے بالاج کو آلیا۔

"کچھ تو ہے، کمال!ضرور کچھ ایسا ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔"

"کون ہے یہ؟ کیا یہ کوئی اور ہے جو'حیات کش'کی طرح یہ سب کر رہا ہے؟"کمال نے آہستگی سے کہا۔

"یا پھر خود... حیات کش۔"بالاج کی گہری نظروں نے کمال کو دیکھا تو اس کے چہرے پر بے یقینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"ناممکن۔"

بالاج کے ہونٹوں پر ہلکی سی تلخ مسکراہٹ ابھری۔

" ممکن ہے، کمال... اس دَور میں کچھ بھی بعید نہیں۔ انسان کے چہرے پر چھپے نقاب، وقت پر اترتے ہیں۔"

پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے اس نے شانے پر ہاتھ رکھا،"چلو میرے ساتھ —میری جیپ نے دم توڑ دیا ہے۔ اب اگر تمہاری مکینیکل انجینئرنگ کی ڈگری کسی کام آئے تو یہی موقع ہے۔"

دونوں خاموش قدموں سے آگے بڑھے، پیچھے ویران دشت میں ایک ان کہی کہانی، بے صدا لہجوں کے حوالے ہو چکی تھی۔

دھند میں لپٹی وہ راہگزر، جہاں جنّات اور چڑیلیں بھی لرزاں تھیں، ان انسانوں کے سامنے جن کے اندر چھپے درندے وقت کے ساتھ جاگنے لگے تھے۔

☆☆☆☆

وہ رات بھر بے چین رہی۔ زرش دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی تھی حتیٰ کہ بولتے بولتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ زرش نے اس کے سامنے دل کی بہت سی گرہیں کھول دیں جب کہ ابرش نے بھی اسے اپنے بارے مین کافی کچھ بتایا مگر کچھ ایسی باتیں بھی تھیں جو دونوں نے ایک دوسرے سے چھپائی تھیں-ابرش نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس کے والد اسلام آباد کیوں گئے ہیں

ا

اور نہ ہی زرش نے بتانا ضروری سمجھا۔

ابرش چاہے جتنی بھی خوش اخلاق واور صاف گو ہو، مگر ایک اجنبی پر ایک ہی دن میں دل کا در کھول دینا نری سادہ لوحی تھی۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے، جب ابرش کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل ہولے ہولے تھرتھرایا۔ اس نے جھٹ سے ہاتھ بڑھا کر اسکرین پر نگاہ دوڑائی بالاج کا میسج تھا۔

پیغام پڑھتے ہی اس نے خود کو کمفرٹر کی گرفت سے آزاد کیا، ایک نگاہ زرش پر ڈالی جو گہری نیند میں تھی، اور دبے پاؤں کمرے سے نکل آئی۔

ہال عبور کرتے ہوئے، راہداری کے اُس پار داخلی دروازہ کھولتے ہی سامنے وہ موجود تھا۔

بالاج۔ سرد، گمبھیر، سوچ میں گم۔

"سوئی نہیں نا تم؟" بالاج نے اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

"نئی جگہ تھی... نیند نہیں آئی۔" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے، جھوٹ کو سچ بنانے کی ایک اور کوشش کی۔

"اچھا؟" بالاج کے لہجے میں ایک ہلکی سی کھنک تھی۔ وہ جانتا تھا اس کی بیگم جھوٹ بول رہی ہیں لیکن اس وقت بحث کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

"چلو، نماز پڑھ لیتے ہیں، پھر نکلنا ہے۔" وہ باتھ روم کا سراغ لگانے کے لیے اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔

"لیکن... جائیں گے کیسے؟ جیپ تو خراب ہے؟"

"ہاں، اب ٹھیک ہو چکی ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"کیسے؟ اگر آپ کو معلوم تھا مسئلہ کیا ہے تو کل ہی کیوں ٹھیک نہیں کی؟"

وہ، جو کرسی پر نیم دراز تھا، سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کمال نے ٹھیک کر دی ہے۔ اور یہ مت پوچھنا وہ کہاں سے آیا۔ باقی باتیں بعد میں۔ فی الحال واپسی ضروری ہے۔"

اس کی آواز تھکی ہوئی تھی۔ وہ کنپٹی مسل رہا تھا، جیسے اعصابی دباؤ میں ہو۔

ابرش نے کچھ اور پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

نماز سے فراغت کے بعد، زرش بھی بیدار ہو چکی تھی۔

"آپ دونوں جا رہے ہیں؟" ابرش بالوں کو جوڑے میں سمیٹ رہی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس ابھرا۔

"ہمم... سب آتے ہی جانے کے لئے ہیں۔" اس نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا۔

"کیا آپ یہاں نہیں رک سکتیں؟ کم از کم بابا کے آنے تک؟" اس کے لہجے میں مایوسی کی جھلک تھی۔

"میں ضرور رُکتی، مگر... بالاج کی طبیعت کچھ بہتر نہیں۔ اور ہاں، تم فکر نہ کرنا۔ میں پھر آؤں گی۔"

ا

اس نے اپنا بیگ کندھے سے لگایا، اور زرش کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں انتظار کروں گی آپ کا، آپی باجی۔"

اس کے لفظوں نے ابرش کے قدم روک لیے۔ وہ پلٹی، پیار سے اُسے بانہوں میں بھر کر گلے لگالیا۔

پھر خاموشی سے باہر نکل آئی، جہاں بالاج اداخلی دروازے کے قریب اس کا منتظر تھا۔

دروازے کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی، ایک آخری نگاہ زرش پر ڈالی، اور پھر ہولے سے در بند کر دیا۔

راستے میں وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"کیابات ہے؟ ایک دن میں اتنی وابستگی ہوگئی؟" بل آخر اس نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ ابرش نے آہ بھر کر کہا

"پتانہیں کیوں، لیکن ایسالگا ہی نہیں کہ میں زرش سے کل ملی ہوں۔ جیسے وہ برسوں سے میرے ساتھ ہو۔ ایک پل کو توشائنہ یاد آگئی۔ بالکل اسی جیسی نادان، شوخ، اور اپنی دنیا میں گم۔"

وہ خاموشی سے اسے سن رہا تھا، جیسے وہ سب جانتا ہو۔

اس نے مفید مشورہ دیا-"تو پھر لے چلو اُسے ساتھ۔ اسلام آباد۔"

ابرش نے نیم مسکراہٹ کے ساتھ کہا

"کاش ایسا ممکن ہوتا۔"

کچھ دیر بعد وہ جیپ تک پہنچ گئے۔ سوات کے سنگلاخ، پراسرار راستوں کو عبور کرتی ہوئی جیپ کالام سے نکل گئی-اور پیچھے رہ گئی۔

تنہا، اداس زرش گل۔

☆☆☆☆☆

دن پھر سے ڈھلا اور وہی اُداسی میں لپٹی شام لوٹ آئی۔ لیکن اگر کوئی واپس نہ آیا تھا، تو وہ تھا... سعید۔ زرش بے چینی سے ہال میں چکر کاٹ رہی تھی۔

"کاش میں آپی باجی کو سب کچھ بتادیتی۔ شاید وہ میری مدد کر پاتیں... یا کم از کم، اُن کے موبائل سے بابا کو کال ہی کر لیتی-"

پریشانی سے بے حال وہ اپنے ناخن چبانے لگی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

ایسی گونجدار آواز تھی، جیسے کسی نے دروازے پر ہتھوڑا دے مارا ہو۔ وہ ساکت کھڑی رہی۔ لمحوں بعد پھر سے وہی دستک... نہیں، اب کی بار تو جیسے دروازے کو پیٹا جارہا ہو۔ آواز اتنی بلند تھی کہ زرش کا دل اچھل کر حلق میں آپھنسا۔

اس کے پورے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔ آوازیں بند ہونے کا نام نہ لے رہی تھیں۔ ہمت مجتمع کرتے، لرزتے قدموں سے وہ دروازے کی سمت بڑھی۔

ا

راہداری عبور کر کے داخلی دروازے تک پہنچی تو سانس پھولنے لگے۔ دروازے کے اُس پار جو کوئی تھا، وہ بہت ضدی اور ڈھیٹ لگ رہا تھا۔

آیت الکرسی پڑھ کر، خود پر پھونک مارتے آنکھیں میچے، کپکپاتے ہاتھوں سے کنڈی کھولی۔ دروازہ آہستہ آہستہ چرچراتا کھلا۔

پوری طرح دروازہ کھلا تو دونوں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

دس پندرہ سیکنڈیوں ہی مجسم بنی وہ کھڑی رہی۔ جب محسوس ہوا کہ وہ زندہ سلامت ہے، تو آہستگی سے ایک آنکھ کھولے سامنے دیکھنے لگی۔

سامنے ایک بلند قامت مرد کھڑا تھا۔ سفید چیک دار شرٹ، سیاہ پینٹ، جیل سے سلیقے سے جمائے گئے بال، چہرے پر میڈیکیٹڈ ماسک، اور گہری، پُراثر آنکھیں۔

وہ سراپا رُعب ووقار تھا۔

اُس شخص نے دہلیز کے اُس پار کھڑی کانپتی زرش کو دیکھا، جس کی ایک آنکھ بند تھی، اور دوسری کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ اُس نے کسی شناسا چہرے کو پہچاننے کی کوشش کی مگر خاموش رہا۔

"سعید کہاں ہے؟" اُس کی بھاری آواز نے زرش کو مزید کانپنے پر مجبور کر دیا۔

"ب... ب... بابا... وہ..." الفاظ اُس کے گلے میں اٹک گئے۔

"سنو لڑکی، میں انسان ہوں... کوئی آدم خور نہیں، جو مجھ سے ڈر رہی ہو۔"

وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جو دل دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

اُس نے گہری سانس لی، ماسک نیچے کھسکایا، اور زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا، تو شاید زرش واقعی چکرا کر گر جاتی۔

"آ... آپ"

سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ اُسے پہچانتے اپنی دکھتی کلائی کو پکڑ لیا۔ آدمی نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

"جی، میں۔ آپ کے بابا سے کچھ ضروری کام تھا، کیا وہ گھر پر ہیں؟"

زرش نے نفی میں سر ہلایا۔

"کہاں گئے ہیں؟؟ اور کب تک آئیں گے؟" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"بابا اسلام آباد گئے ہیں... اور ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

وہ اس کی آواز میں چھپی تشویش کو بھانپ گیا۔

"ٹھیک ہے، پھر میں کل آتا ہوں۔"

ا

اس نے نرم لہجے میں کہا، اور پلٹنے لگا۔

زرش نے دروازہ بند کرنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ رُک گیا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

وہ گردن تھوڑا سا ترچھی کر کے اُسے دیکھنے لگا۔ زرش کا ایک ہاتھ دوپٹے کے پلو پر تھا، دوسرا دروازے پر۔ اور نظریں نیچی، زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔

"زرش گل۔۔۔"

یہ نام بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ پھر فوراً زبان دانتوں تلے دبالی۔

"ہارون خانزادہ۔۔۔"

زرش نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

" میرا نام ہارون خانزادہ ہے۔"

زرش کے تاثرات ایسے تھے کہ تم جو بھی ہوں میں کیا کروں۔اس کے تاثرات بھانپتے وہ اپنی حماقت پر شرمندہ ہوتے سر جھکالیا۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا، خاموشی سے لوٹ گیا۔

زرش نے فوراً دروازہ بند کیا اور خود کو کوسنے لگی،

"افف! ایک تو یہ میری زبان... جہاں نہیں پھسلنی ہوتی، وہیں پھسل جاتی ہے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج کی طرف لوٹ گئی۔

☆☆☆☆

ہوٹل پہنچتے پہنچتے جسم تھکن سے چُور ہو چکے تھے۔ بنا کچھ کھائے وہ یونہی لمبی تان کر سو گئے۔

کمرے میں گہری خاموشی تھی، صرف ایئر کنڈیشنر کی مدھم سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ نیند آنکھوں پر چھا رہی تھی کہ موبائل کی مسلسل بجتی بیل نے ابرش کی نیند کو چیر کر رکھ دیا۔

"بالاج آپ کا فون بج رہا ہے۔" اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے نیم غنودگی میں ہاتھ بڑھایا کر بالاج کو ہلایا مگر وہ کچھ زیادہ ہی گہری نیند میں تھا۔

ابرش نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ آن کیا اور اس کے اوپر سے جھکتے ہوئے دوسری جانب کے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھانے لگی۔ موبائل کی سکرین پر ایک میسج جگمگا رہا تھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے کھولتی، بالاج نے جھٹ سے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"اوئے"

ابرش نے چونک کر اپنا ہاتھ خالی ہاتھ دیکھا۔اور پھر بالاج کو گھورا۔

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

"بہت بری بات ہے آپی، کسی کی اجازت کے بغیر موبائل نہیں چیک کرتے۔"
ابرش نے تکیے کے نیچے سے ہاتھ نکالتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔
" کسی کی؟یعنی مجھے آپ کا فون چیک کرنے کے لیے اجازت لینی ہو گی؟"
وہ بے یقینی سے بولی۔
"جی۔"وہ کمفرٹر ہٹاتا اٹھ بیٹھا۔
ابرش ہکّا بکّا اسے دیکھتی رہی۔وہ لاپرواہی سے وہ واش روم میں گھس گیا،ابرش کی نظریں تکیے کے اوپر بالاج کے موبائل پر جا ٹھہریں-ایک شریر مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔
کچھ دیر بعد بالاج باہر نکلا ابرش اسے نظر انداز کرتی واش روم میں گھس گئی-وہ بیڈ کے پاس پہنچا اپنا فون اٹھایا۔
"چلو دیکھیں کمال نے کیا بھیجا ہے۔"
مگر سکرین پر فنگر پرنٹ فیل ہو رہا تھا۔اس نے کئی بار کوشش کی مگر بے سود۔
"فنگر پرنٹ میچ نہیں ہوا۔"
اس نے چونک کر دوبارہ کوشش کی، لیکن ناکام۔پاس ورڈ ڈالا تو وہ بھی غلط نکلا۔
اس نے جھنجھلا کر فون بیڈ پر پٹخا اور سوچنے لگا۔پھر جیسے کچھ یاد آیا، زیر لب بولا
وہ اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بولا-"اب تو چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں"
کچھ ہی لمحوں بعد وہ باہر آئی۔بالاج صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ گود میں رکھے کسی کام میں مصروف تھا-
آدھے بال کیچر میں جکڑے، چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔
اس کے پاس بیٹھتے لہجے سے شہد ٹپکاتی ہوئی بولی-"کیا کر رہے ہیں؟"
بالاج نے لیپ ٹاپ بند کیا، چشمہ اتارا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا-

"ایک بات بتائیں بیگم... آپ واقعی ڈاکٹر ہیں؟"
ابرش نے حیرانی سے اسے دیکھا۔"، طلب؟؟"
"کہیں ایسا تو نہیں کہ ماں باپ کے خواب پورے کرنے کو فرضی ڈگری بنوائی ہو؟"
اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدلے۔

ا

"آپ... میری ڈگری کو جعلی کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں، ظاہر ہے جب آپ علاج کے علاوہ فضول کام کریں گی، تو شک تو ہو گا نا"

اس کی بات پر ابرش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا کیا ہے میں نے؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا پاسورڈ چینج کرنے کا کیا طریقہ تھا؟"

وہ بھی اس کے بالکل سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر دوبارہ آپ نے میرے ہاتھ سے اس طرح فون کھینچا تو میں پھر یہی حرکت دہراؤں گی۔" انگلی ہوا میں لہرات وہ ڈھٹائی سے بولی۔ "مائنڈ اٹ۔" دو انگلیاں ذہن سے ٹکراتے اپنے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا۔ بالاج نے اپنا ماتھا پیٹا۔ وہ جانتا تھا بیوی سے بحث کرنا اور جیت جانا دنیا کے کسی مرد کے نصیب میں نہیں تو وہ کس کھیت کی مولی ہے۔

☆☆☆☆☆

سوات کے سیاہ آسمان پر چھوٹے چھوٹے سفید ستارے چاند کے گرد ایسے جھلملاتے تھے جیسے کسی مقدس ہالے میں سجے ہوں۔ وہ کافی دیر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، شاید نیند آ جائے، مگر نجانے نیند کہاں کھو گئی تھی۔ بالآخر اکتا کر وہ دیوار گیر کھڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا جہاں سے آسمان کا حسین منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

آج آسمان کی جانب نگاہ اٹھاتے وقت نہ اس کی آنکھوں میں دنیا اجاڑ دینے کی کوئی جلن تھی، نہ ہی چہرے پر وہ مانوس طیش۔ ستاروں کی لرزش دیکھتے دیکھتے یکدم اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ رف سے حلیے میں، سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا وہ ہارون، اُس ہارون سے بہت مختلف لگ رہا تھا جس کی آنکھوں کا ایک تیز وار سامنے والے کے ہوش اڑا دیتا تھا۔

کچھ لمحے یوں ہی مسکراتے گزرے۔ پھر جیسے ہی اسے اس میٹھی مسکراہٹ کا احساس ہوا، فوراً چونکا، اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں کہ کہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں... میں مسکرا رہا ہوں؟""

وہ تعجب سے اپنے سینے پر انگلی رکھتے بولا۔

"مگر کیوں؟"

اپنی اس بے ساختہ کیفیت پر اُسے سخت تشویش ہوئی۔ وہ شخص جو ہمیشہ ایک شیطانی، درندہ صفت مسکراہٹ چہرے پر سجائے رکھتا تھا—وہ مسکراہٹ جو شکار کو کچل دینے کے بعد نمودار ہوتی تھی— آج بے سبب آسمان تکتے، دل آویز مسکراہٹ سے کیسے آشنا ہو گیا؟

ا

جب بھی اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی تھی، تو وہ ایک مضبوط عزم کے ساتھ تھی۔

تو آج کیا بدلا؟

"شاید نیند پوری نہ ہونے کا اثر ہے"

دل کے کسی کونے سے آواز آئی ـــ جیسے دماغ جھوٹی تسلی دے رہا ہو۔

مگر وہ ہارون خانزادہ تھا، جو دل پر نہیں، دماغ پر بھروسا کرتا تھا۔

اسی کشمکش میں دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اس اندرونی جنگ سے باہر آیا۔

دروازہ کھولا، سعد اندر داخل ہوا۔

"ہاں بولو سعد؟ سعید واپس آیا؟"

دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیب میں ڈالے، اس نے پرُسکون لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں سر... خبر ملی ہے کہ اسلام آباد سے آنے والی سڑک پر ایک بھیانک حادثہ ہوا ہے۔ ایک بس نے تین گاڑیوں کو کچل ڈالا ہے۔ اب تک لاشوں کی شناخت نہیں ہو سکی۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

ہارون کے ماتھے پر خفیف بل نمودار ہوئے۔ "کیا کہنا چاہتے ہو، سعد؟"

"سر، ممکن ہے... سعید بھی اسی حادثے کا شکار ہو گیا ہو۔"

اس کے لاپرواہ تاثرات نے سعد کو چونکا دیا۔ "ہمم"

اس کے نزدیک یہ ایک بڑی خبر تھی۔ اب ہارون کے لیے اُس جگہ کو حاصل کرنا آسان ہو جانا تھا۔ سعد نے سوچا شاید وہ کہے گا ابھی چلو، اُس ڈرپوک لڑکی سے گن پوائنٹ پر پراپرٹی کے کاغذات پر دستخط کروا لیتے ہیں، اور آج ہی دبیر احمد کو دے کر یہ معاملہ نمٹا دیتے ہیں۔

مگر وہ تو خاموش رہا۔

سعد کے ذہن میں خیالات کی جنگ چھڑ چکی تھی ـــ سوال ہی سوال، جواب کوئی نہیں۔

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

ہارون نے چٹکی بجا کر اُسے خیالات کی دنیا سے کھینچا۔

" سر، کیا ہمیں اب اس کے گھر جا کر اپنا کام پورا نہیں کر لینا چاہیے؟"

"کیا جلدی ہے؟ ویسے بھی ابھی یہ بات کنفرم نہیں ہوئی کہ سعید مر گیا ہے۔"

ہارون کی غیر متوقع نرمی نے اسے مزید الجھا دیا۔

"سر؟"

کچھ دیر خاموشی کے بعد، وہ ڈرتے ہوئے پھر بول پڑا

"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟"

"ہاں بھئی، کیوں؟"

بیڈ کی پائنتی پر بیٹھتے ہوئے ہارون نے حیرانی سے ابرو اچکائی۔

"نہیں، مطلب... آپ کافی پُر سکون لگ رہے ہیں۔"

ہارون نے اُسے یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی بہت عجیب بات کہہ دی ہو۔

"یہ سوات ہے ہی ایسا... جو بھی یہاں آتا ہے، اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔"

"یہاں کی فضا میں کچھ ایسا ضرور ہے جو پہاڑ جیسا سخت انسان بھی آبشار کی روانی جیسا ہو جاتا ہے۔ جو سخت پتھروں پر ٹھاٹیں مار کر اسے توڑنے کی کوشش کرتی ہے۔"

وہ پھر کسی ان دیکھے سحر میں گم ہو گیا۔ خیال آیا تو چونک کر سیدھا ہوا۔

"کل رات کی ٹکٹ کرواؤ سعد، ہم کل ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔ اگر میں یہاں کچھ اور دن رہا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

اب کی بار اس کا لہجہ سخت تھا۔

"جی سر۔"

سعد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آہٹ پر اس نے خود کو یوں بستر پر گرا دیا کہ ٹانگیں زمین کو چھو رہی تھیں۔

"میں نے پہلی بار اپنی مرضی کے خلاف جا کر کچھ کیا... اور بدلے میں اپنی ہی بے عزتی کروالی۔ لیکن کیوں؟ مجھے کیا ضرورت تھی اُس کے سامنے اپنا نام لینے کی؟"

تف ہے تم پر، ہارون!" وہ خود سے شدید ناراض ہوا۔"

اس نے بیڈ شیٹ کو مٹھیوں میں سختی سے بھینچ لیا۔

☆☆☆☆

"بھاگ "

ا

سناٹے کو چیرتی ایک رعب دار آواز نے فضا میں زلزلہ سا پیدا کیا۔ اس پکار پر سامنے کھڑا نوجوان، جو بظاہر بیس بائیس برس کا معلوم ہوتا تھا، اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا بیگ اب خوف سے بھینچی بانہوں میں دب گیا۔ چہرے پر دہشت، آنکھوں میں وحشت اور جسم میں کپکپاہٹ صاف دکھائی دیتی تھی۔

دور کہیں کسی کتے کے بھونکنے کی نحیف آواز اس گھمبیر خامشی کو اور ہولناک بنا رہی تھی۔

اس نے ایک بار پیچھے نگاہ دوڑائی — سنسان، گھمبیری میں لپٹی سڑک کسی اژدھے کی مانند اپنا دہانہ کھولے اسے نگلنے کو تیار تھی، اور آگے وہ سیاہ ہیولا تھا، جو کسی چٹان کی مانند راستہ روکے کھڑا تھا۔

"بھاگگگگ"

اب کی بار آواز میں ایسی لرزتی گونج تھی، جیسے کسی آتش فشاں سے دھاڑ نکلی ہو۔ نوجوان کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر زمین پر جا گرا اور وہ خوف سے پیچھے کو مڑا۔

بے ترتیب قدم، ننگے پیر، اور چہرے پر وحشت کی گہری پرت لیے، وہ دیوانہ وار دوڑنے لگا۔

وہ بھاگ رہا تھا — جیسے جان پر بنی ہو۔ سڑک کی ویرانی، آس پاس پھیلا اندھیرا اور سکوت میں صرف اس کے قدموں کی چاپ باقی تھی۔ اس کا جسم تھک چکا تھا، ہمت جواب دے رہی تھی، لیکن رکنا موت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔

ایک پل کو وہ رکا، پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔

سراپا پسینے میں شرابور، اس نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

سانسیں بے قابو تھیں۔

اسی لمحے، فضا میں ایک ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا۔ قدموں کی دھیمی چاپ جیسے زمین کے اندر سے ابھرتی آ رہی ہو۔

چاندنی میں سیاہ چمکتے بوٹ نظر آئے۔

اس کی سانسیں رک گئیں۔ آہستہ آہستہ سر اوپر کو اٹھایا۔

وہی ہیولا — سیاہ لبادے میں ملبوس، سراپا ساکت۔

لڑکے کو ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ انسان نہ ہو، کسی اور ہی جہان کی مخلوق ہو۔

اگلے ہی پل، دو مضبوط ہاتھوں نے اسے کندھوں سے دبوچا اور زمین پر ایسا وار کیا کہ وہیں بے ہوش ہو گیا۔

ہیولا اسے بالوں سے پکڑ کر تاریک سڑک پر گھسیٹنے لگا۔

کچھ دیر بعد لڑکے کو ہوش آیا —

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

وہ ایک خستہ حال کوٹھری میں کرسی سے بندھا ہوا تھا۔

اوپر لٹکتا زیرو واٹ بلب، پیلی زرد روشنی میں دیوار پر اس کا دھندلا سایہ جھول رہا تھا۔

اس نے بے سود خود کو چھڑانے کی کوشش کی، مگر آخرکار کرسی سمیت زمین پر جا گرا۔

اچانک وہ سیاہ لبادے والا ہیولا پھر نمودار ہوا۔

اس نے اپنے بھاری بوٹ کا تلوہ لڑکے کے منہ پر بندھے کپڑے پر رکھ دیا۔ لڑکا تڑپ اٹھا۔

دبی دبی چیخوں کے بعد، ہیولا اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

آہستگی سے اس کا منہ کھولا۔

"کون ہو تم؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

لڑکے کی آواز میں کرب، سسکیاں اور ندامت یکجا تھیں۔

ہیولے نے لبادے کا کنارہ تھوڑا سرکایا، ایک گھٹنا زمین پر ٹیکا، اور اپنا چہرہ لڑکے کے کان کے قریب لے جا کر سرگوشی کی۔

"تم جیسے لوگوں کے لیے... عذاب۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"کون ہو تم؟؟" لڑکے نے پھر پکارا۔

"زہرِ زیست۔"

مختصر سا نام اس کے زخموں پر نمک کی مانند تھا جس منحوسیت کا آج تک صرف نام سنا تھا اس کا یوں سامنے آنا گویا زندہ رہ کر بھی مر جانا۔ دروازہ ٹھک کی آواز کے ساتھ بند ہوا۔

لڑکا اپنی بربادی پر رو پڑا—اتنا کہ ہچکیوں میں بدل گیا۔

یہ آغاز تھا انتقام کا،

زہر زیست کے جنم کا،

ایک نئی داستان کا،

کسی کے عبرت ناک انجام کا،

جاری ہے۔۔۔

For More Heart Touching Novels Kindly Visit Our Website: http://adabinovelofficial.com
Contact Us On adabinovelofficial@gmail.com
For More Details Visit Our Face Book Page & Group http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

ا

اردو ادب کو ڈیجیٹل دنیا میں فروغ دینے کے بعد "ادبی ناول آفیشل" اب اشاعت کی دنیا میں بھی نئے سفر پر گامزن۔ "ادبی پبلیکیشنز" کا مقصد کتاب بینوں تک کتاب اعلیٰ معیار اور مناسب قیمت میں پہنچانا ہے۔ ادارے کی کوشش رہے گی ان کتابوں کی اشاعت کرنا جو تخلیق کے لحاظ سے بہترین ہوں۔ "ادبی پبلیکیشنز" نئے لکھنے والوں کو اشاعت کا بہترین موقع فراہم کر رہا ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے آپ میں لکھنے کی بہترین تخلیقی صلاحیت ہے، آپ اپنی تحریر کی اشاعت کے لیے ادارے کے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔

03254460956

مزید دل کو چھو جانے والی اور سبق آمیز داستانوں، بہترین ناولز اور کہانیوں کے لیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

ادبی ناول آفیشل سوشل میڈیا کا وہ واحد پلیٹ فارم جو آپ میں چھپے لکھنے کا ٹیلنٹ پالش کر کے آپ کو لکھنے سے لے کر بڑا نام بنانا سکھائے گا نا صرف آپ کا شوق پورا کرے گا بلکہ اس سے آپ گھر بیٹھے کما بھی سکیں گے۔

اگر آپ بھی ادبی ناول آفیشل کے قابل رائٹرز کے ساتھ کام کر کے اپنے آرٹیکل، کہانیاں، ناول، یا کسی بھی قسم کا معیاری کام پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہماری ٹیم سے رابطہ کریں۔

ای میل: adabinovekofficial@gmail.com

ویب سائیٹ

/http://adabinovelofficial.com

آفیشل گروپ

http://www.facebook.com/Adabinovelofficial

واٹس ایپ نمبر

03254460956

منجانب:

ادبی ناول آفیشل ٹیم